الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

جو لوگ دوسروں کی شکایت کرتے ہیں وہ
صرف اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ
زندگی کی دوڑ میں وہ دوسروں سے پیچھے ہو گئے

شمارہ ۴۳
جون ۱۹۸۰

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

جون ۱۹۸۰
شمارہ ۴۳

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دہلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعا کیوں قبول نہیں ہوتی	۲
موت کے عقیدے نے زندگی دے دی	۳
قابلیت اور مستعدی	۴
کل کو یاد رکھئے	۵
بچاؤ کا انتظام	۶
تاریخ سبق دیتی ہے	۷
یہ ایک پابند زندگی ہے	۸
باہمی اختلاف :	۹
اتحاد میں طاقت ہے	۱۰
خدا کی مدد :	۱۱
مدد کرنے والے کی مدد کی جاتی ہے	۱۲
پیغمبر اسلام کا کردار :	۱۳
واقعات کی روشنی میں	۱۴
تذکیر القرآن :	۱۷
سورۂ نساء	۱۸
کیسے اچھے ساتھی	۳۲
جب گفتگو بے نتیجہ ہو جائے	۳۴
آخرت کے بغیر زندگی بے معنی	۳۵
موجودہ دنیا کی محدودیت	۳۵
اسلامی زندگی :	۳۶
سیرت کی روشنی میں :	۳۷
نیک اور بد کی پہچان	۳۷
کوئی اندھیرے میں کوئی اجالے میں	۳۸
امتحان غیر معمولی حالات میں	۴۰
بات کو موقع و محل میں دیکھئے	۴۲
الفاظ دھوکا دیتے ہیں	۴۲
مخاطب کی رعایت سے کلام	۴۳
بات کا رخ بدل دینے سے	۴۳
ہم ان کو اچھا ٹھکانا دیں گے	۴۴
ایک اپیل	۴۵

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی **Al-Risala Monthly** لکھیں

دعا کیوں قبول نہیں ہوتی

لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ بزرگ نے جواب دیا: اس لئے کہ آپ لوگ خدا سے وہ چیز مانگتے ہیں جو آپ دوسرے انسانوں کو دینے کے لئے تیار نہیں۔ آپ خدا سے مانگتے ہیں کہ وہ آپ کو ظالموں کے ظلم سے بچائے۔ مگر آپ میں سے ایک شخص کو جب کسی کے اوپر غلبہ حاصل ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنے ظلم کا مزہ چکھانے سے باز نہیں رہتا۔ آپ خدا سے جان و مال کی امان مانگتے ہیں مگر آپ میں سے ایک شخص کو جب موقع ملتا ہے تو وہ اپنے بھائی کے جان و مال کو اپنے لئے جائز کر لیتا ہے۔ آپ خدا سے باعزت زندگی مانگتے ہیں مگر آپ میں سے ایک شخص اگر کسی کے اوپر قابو پالے تو وہ اس کو بے عزت کر کے خوش ہوتا ہے۔ آپ خدا سے مانگتے ہیں کہ وہ آپ کو دشمن قوموں کی سازش سے بچائے مگر آپ میں سے ایک شخص کو اگر کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کو اکھاڑنے کے لئے وہ ہر قسم کی سازشیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔

دعا کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ آدمی دعا مانگنے میں سنجیدہ ہو۔ اس کی دعا اس کی پوری ہستی کی پکار ہو نہ کہ محض زبان کی حرکت سے نکلے ہوئے الفاظ۔ جب آدمی سنجیدہ ہو تو اس کی زندگی تضاد سے خالی ہو جاتی ہے۔ اس کی دعائیں اور اس کے عمل میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اگر ایک شخص فی الواقع ظلم کو ناپسند کرتا ہے اور دوسرے آدمی کے ظلم کو قابل شکایت سمجھ رہا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ خود اپنے دائرے میں ظالم بن جائے۔ اپنے دائرہ اختیار میں ظلم کرنا اور دوسرے کے ظلم پر احتجاج کرنا ایسا تضاد ہے جو ثابت کرتا ہے کہ آدمی اپنے کہنے میں سنجیدہ نہیں ہے، وہ قول بلا فعل (صف) کی سطح پر ہے۔ اور جو شخص قول بلا فعل کی سطح پر ہو اس کی دعا اس کے منھ پر مار دی جاتی ہے نہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔ ایک شخص لوگوں کو باہم لڑاتا پھرتا ہو اور خدا سے دعا کرے کہ "خدایا لوگوں کو متحد کر دے"، تو یہ اللہ کی نظر میں دعا نہیں ہے بلکہ ایک مذاق ہے جو دعا کرنے والے کو صرف سزا کا مستحق بناتی ہے۔ دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی بندوں کو وہی دے رہا ہو جو وہ خدا سے اپنے لئے مانگ رہا ہے۔ اس سے دوسروں کو وہی رحمت و عنایت ملے جس رحمت و عنایت کی درخواست وہ خدا سے اپنے لئے کر رہا ہے۔ اس کے بغیر دعا ایک جرم ہے نہ کہ حقیقۃً اللہ کے سامنے پیش کی جانے والی درخواست۔

موت کے عقیدہ نے زندگی دے دی

ایک نوجوان نے عربی مدرسہ سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ان کا ارادہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ اسی دوران گھر سے ایک خبر آئی جس نے ان کے حوصلے ختم کر دئے۔ خبر یہ تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا ہے ان کے گھر پر معمولی کھیتی باڑی تھی۔ اسی میں محنت کرکے ان کے والد صاحب گھر کا کام چلاتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد گھر پر صرف ان کی بیوی تھیں اور چند چھوٹے بچے۔ اب مذکورہ نوجوان ہی گھر کے بڑے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو اپنی ذمہ داری کا شدید احساس ہوا۔ والد صاحب کی وفات کا مطلب ان کے لئے صرف ایک تھا۔ یہ کہ وہ مزید تعلیم کا ارادہ ترک کرکے اپنے گھر چلے جائیں اور اپنے والد صاحب کی طرح کھیتی باڑی کے کام میں لگ کر گھر کا انتظام سنبھالیں۔

مدرسہ میں ایک بزرگ سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ اس کے بعد وہ ان سے ملے اور کہا "حضرت اب میں یہاں سے جارہا ہوں اور آپ سے آخری ملاقات کے لئے آیا ہوں" بزرگ نے کہا: آخر کیا بات ہے۔ کہاں جارہے ہو۔ انھوں نے بتایا کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور میں ہی اپنے گھر میں سب سے بڑا ہوں۔ اس لئے اب مجھ ہی کو گھر کا انتظام سنبھالنا ہے۔ شاید قدرت کو یہی منظور ہے کہ میرے ہاتھوں میں "قلم" کے بجائے "ہل" ہو۔ بظاہر اب میرے لئے مزید تعلیم کا کوئی سوال نہیں۔ بزرگ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بولے: "کیا موت آپ کے لئے نہیں ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ گھر پہنچ کر آپ کا انتقال نہیں ہوجائے گا۔ پھر اگر آپ کا بھی انتقال ہوگیا تو" اس کے بعد بزرگ نے کہا کہ کسی گھر کا سنبھالنے والا کوئی بڑا نہیں ہوتا۔ ہر گھر کا سرپرست اور کفیل اللہ تعالیٰ ہے کسی کے جینے مرنے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ اپنے تعلیمی منصوبہ کو جاری رکھئے اور گھر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیجئے۔ "آپ تھوڑی دیر کے لئے سمجھ لیجئے کہ میرا بھی انتقال ہوگیا ہے۔"

یہ بات نوجوان کے دل کو لگ گئی۔ انھوں نے گھر کا خیال چھوڑ دیا اور اس کے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرکے اپنی تعلیمی جدوجہد شروع کردی۔ انھوں نے مدینہ کے جامعہ اسلامیہ میں درخواست بھیجی اور اس کے لئے ضروری کوششیں کرنے لگے۔ کوشش کامیاب رہی اور ان کا داخلہ جامعہ اسلامیہ (مدینہ) میں ہوگیا۔ انھوں نے مدینہ کا سفر کرکے جامعہ اسلامیہ میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد وہ سعودی عرب کے دار الافتاء کے تحت افریقہ کے ایک ملک میں مبلغ اور استاد کی حیثیت سے بھیج دئے گئے۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۸۰ کو ایک ملاقات میں انھوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ افریقہ میں رہتے ہوئے ان کو دس سال ہوچکے ہیں۔ اور ان کی موجودہ زندگی سے وہ اور ان کے گھر والے دونوں مطمئن ہیں۔ وہ اپنے کو ایک کامیاب انسان سمجھتے ہیں اور یہ کامیابی ان کو اس مختصر جملہ سے ہوئی کہ ——— سمجھ لیجئے کہ آپ کا بھی انتقال ہوگیا ہے

موت کا عقیدہ بظاہر منفی عقیدہ ہے۔ مگر وہ اپنے اندر زبردست مثبت اثرات رکھتا ہے۔ جس کو موت کا یقین ہو، زندگی کے بارے میں اس کا یقین بڑھ جاتا ہے۔ جو اپنے کو مرتا ہوا دیکھ لے وہ اپنی زندگی میں زیادہ باعمل ہوجاتا ہے۔

قابلیت اور مستعدی

راجہ مہندر پرتاپ (۱۹۷۹ - ۱۸۸۶) ہندوستان کے ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے روس جاکر ولادیمیر لینن (۱۹۲۴ - ۱۸۷۰) سے ملاقات کی تھی۔ وہ ۱۹۱۹ میں آزادی پسندوں کے ایک وفد کے ساتھ لینن سے ملے تھے۔ وہ جب اشتراکی روس کے پہلے حکمراں کے کمرے میں داخل ہوئے تو لینن کھڑا ہوگیا۔ کمرے کے ایک گوشہ سے وہ خود ہی ایک چھوٹی آرام کرسی اٹھاکر لایا۔ راجہ مہندر پرتاپ کہتے ہیں کہ میں آرام کرسی پر بیٹھا اور میرے ساتھ قریب کے ایک چھوٹے صوفہ پر لینن بیٹھ گیا۔ لینن کا پہلا جملہ یہ تھا:

In which language should I speak : English, German, French or Russian

میں کس زبان میں بولوں۔ انگریزی میں، جرمن میں، فرانسیسی میں یا روسی میں۔ بالآخر طے ہوا کہ انگریزی زبان میں گفتگو ہو۔ راجہ مہندر پرتاپ نے اپنی ایک کتاب لینن کو پیش کی۔ اس کتاب کا نام تھا ——— پریم دھرم

The Religion of Love.

لینن نے کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہی فوراً کہا: "میں اس کتاب کو پڑھ چکا ہوں" راجہ مہندر پرتاپ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ لینن کو آخر یہ کتاب کہاں سے ملی۔ پوچھنے پر لینن نے بتایا کہ پچھلے دن شام کو جب آپ میرے سکریٹری سے ملاقات کا وقت مقرر کرنے کے لئے ملے تھے تو آپ نے سکریٹری کو اس کتاب کا ایک نسخہ دیا تھا۔ سکریٹری نے آپ کا تعارف کرتے ہوئے یہ کتاب مجھے دکھائی۔ میں نے کتاب اس سے لے لی اور رات ہی کو اسے پڑھ ڈالا " تاکہ کل صبح جس شخص سے ملنے والا ہوں، اس کے خیالات سے واقف ہوجاؤں"

لینن جدید روس کا بانی ہے۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں والا آدمی تھا۔ اوپر کے واقعہ سے اس کی دو خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک قابلیت، دوسرے مستعدی۔ اس نے تعلیم اور مطالعہ میں اتنی محنت کی تھی کہ وہ چار مختلف زبانیں جانتا تھا اور بیک وقت چاروں زبانوں میں گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کی مستعدی کا عالم یہ تھا کہ دنیا کا انتہائی مصروف حکمراں ہونے کے باوجود ایک غیر معروف ہندستانی کی کتاب اس نے راتوں رات محض اس لئے پڑھ ڈالی کہ کل کے دن وہ جس سے ملنے والا ہے اس کے خیالات کا اس کو پیشگی اندازہ ہوجائے۔ اس نے اپنی فطری صلاحیتوں کو بھرپور طور پر بروئے کار لانے کی کوشش کی اور اسی کے ساتھ عمل کے مواقع پر بھرپور عمل کیا، وہ دنیا کا ایک کامیاب لیڈر بن گیا۔

اسلام کی خدمت کا میدان ہو یا غیر اسلام کی خدمت کا، وہی لوگ دنیا میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں جو ان دو خصوصیات کا ثبوت دیں، ایک طرف وہ وقت کے مطابق مکمل علمی قابلیت رکھتے ہوں۔ دوسرے وہ اپنی کارکردگی میں پوری طرح مستعدی کا ثبوت دیں۔ قابلیت اور مستعدی کے ان ضروری اوصاف کے بغیر نہ اسلام کا کوئی کام کیا جاسکتا ہے اور نہ غیر اسلام کا۔

کل کو یاد رکھئے

لارڈ کرزن ۱۸۹۸ میں ہندوستان کے وائسرائے ہوکر انگلستان سے یہاں آئے۔ ان کے دو لڑکیاں تھیں۔ تیسری پیدائش کے وقت لارڈ کرزن اور لیڈی کرزن کی بہت خواہش تھی کہ ان کے یہاں لڑکا پیدا ہو۔ دونوں بڑی امیدوں کے ساتھ آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر تیسری بار بھی مارچ ۱۹۰۴ میں ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس وقت ان کا قیام نالدرا میں تھا اس مناسبت سے انھوں نے اپنی لڑکی کا نام الکزنڈر نالدرا کرزن رکھا۔ لارڈ کرزن نے اس زمانہ میں اپنی بیوی کے نام جو خطوط لکھے ان میں سے ایک خط وہ ہے جو انھوں نے شملہ سے لندن بھیجا تھا۔ اس خط میں انھوں نے اپنی بیوی کو تسکین دلانے کی کوشش کی۔ ان کے خط کا ایک جملہ یہ تھا: لڑکا یا لڑکی کا کیا فائدہ جب کہ ہم دونوں اس دنیا سے جا چکے ہوں گے۔

After all what does sex matter after we are both of us gone.

لارڈ کرزن کا یہ جملہ محض اپنی مایوس نفسیات کو چھپانے کی ایک کوشش تھی۔ لیکن یہی بات اگر آدمی کے اندر شعوری طور پر پیدا ہو جائے تو دنیا کا آدھا مسئلہ حل ہو جائے۔ دولت، اولاد، اقتدار، یہی وہ چیزیں ہیں جن کو آدمی سب سے زیادہ چاہتا ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر ڈالتا ہے۔ اگر آدمی یہ سوچ لے کہ کسی چیز کو پانے کا کیا فائدہ جب کہ چند ہی روز بعد اس کو چھوڑ کر چلا جانا ہے تو لوگوں کے اندر قناعت آجائے، اور دنیا کا تمام ظلم و فساد ختم ہو جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں پانے اور نہ پانے میں بہت زیادہ فرق نہیں۔ جو پانا اگلے روز کھونا بننے والا ہو اس پانے کی کیا قیمت ہے۔ آدمی اپنی ساری کوشش خرچ کر کے جو چیز حاصل کرتا ہے وہ صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اگلے لمحہ وہ اس کو کھو دے۔ ہر زندگی بالآخر موت سے دوچار ہونے والی ہے، ہر وہ محبوب چیز جس کو آدمی اپنے گرد و پیش جمع کرتا ہے اس کو چھوڑ کر وہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا جانے والا ہے۔

آدمی "آج" میں جیتا ہے، وہ "کل" کو بالکل بھولا ہوا ہے۔ آدمی دوسرے کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر بناتا ہے حالاں کہ اگلے دن وہ قبر میں جانے والا ہے۔ آدمی دوسرے کے اوپر جھوٹے مقدمے چلا کر اس کو انسانی عدالت میں لے جاتا ہے حالانکہ فرشتے خود اس کو خدا کی عدالت میں لے جانے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ آدمی دوسرے کو نظر انداز کر کے اپنی عظمت کے گنبد میں خوش ہوتا ہے حالاں کہ بہت جلد اس کا گنبد اس طرح ڈھ جانے والا ہے کہ اس کی ایک اینٹ بھی باقی نہ رہے۔

بچاؤ کا انتظام

الور میں ایک مدرسہ ہے جو شہر کے کنارے واقع ہے۔ مدرسہ کے ایک طرف شہر کی عمارتیں ہیں اور دوسری طرف کھیت شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک بار مجھ کو اس مدرسہ میں چند دن گزارنے کا اتفاق ہوا۔ شام کو عصر کی نماز کے بعد میں مدرسہ سے نکلا اور کھیتوں کی طرف ٹہلنے چلا گیا۔ کچھ دور آگے بڑھا تو ایک جگہ بہت سے کتے نظر پڑے۔ وہ مجھ کو دیکھ کر زور زور سے بھونکنے لگے اور میری طرف لپکے۔ مجھ کو پتھر پھینک کر انھیں بھگانا پڑا۔ مغرب کے قریب میں ٹہل کر واپس ہوا تو میں نے مدرسہ کے ناظم مولانا مفتی جمال الدین قاسمی سے اس کا ذکر کیا۔ وہ مسکرائے انھوں نے کہا کہ کل ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ پھر آپ دیکھئے گا کہ کوئی کتا نہیں بھونکے گا۔ اگلے دن عصر کی نماز کے بعد جب میں ٹہلنے کے لئے نکلا تو مفتی صاحب بھی میرے ساتھ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ میں ایک لمبی لاٹھی لے لی جو دور سے دکھائی دیتی تھی۔ ہم لوگ چلتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں پچھلے روز مجھے کتوں کا غول ملا تھا۔ میں نے دیکھا تو اب بھی کتے وہاں موجود تھے۔ مگر آج کوئی کتا ہماری طرف نہیں لپکا اور نہ کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ ہم سکون کے ساتھ اس مقام سے گزر گئے اور کتے ہماری طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنے مشغلوں میں لگے رہے۔ واپس ہوتے ہوئے ہم دوبارہ اس مقام سے گزرے۔ اب بھی کتے وہاں موجود تھے۔ مگر انھوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ہم کسی مزاحمت کے بغیر اپنی منزل پر واپس آ گئے۔

"یہ لاٹھی کی برکت تھی"، مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "کل آپ لاٹھی کے بغیر تھے تو کتوں کو ہمت ہوئی وہ بھونکتے ہوئے آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ آج ہمارے ساتھ لمبی لاٹھی تھی تو کتے اس کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ ہم بے زور نہیں ہیں بلکہ ان کا جواب دینے کے لئے ہمارے پاس مضبوط ہتھیار موجود ہے۔ اس چیز نے کتوں کو ہمارے اوپر اقدام کرنے سے بے ہمت کر دیا۔" کتا ہمیشہ اس وقت آپ کی طرف دوڑے گا جب وہ آپ کو کمزور محسوس کرے۔ اگر وہ دیکھے کہ آپ کے پاس طاقت ہے تو وہ آپ کی طرف رخ نہیں کرے گا۔"

انسانوں میں بھی کچھ لوگ اسی قسم کا مزاج والے ہوتے ہیں۔ وہ اس شخص سے ٹھیک رہتے ہیں جو اپنے ہاتھ میں ایک "لاٹھی"، لئے ہوئے ہو۔ ایسے شخص سے سامنا ہو تو وہ کترا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ البتہ جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ لاٹھی کے بغیر ہے تو اس کے لئے وہ شیر ہو جاتے ہیں۔ وہ طاقت ور کے لئے بزدل ہوتے ہیں اور کمزور کے لئے بہادر۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ آدمی سماج کے ایسے افراد کے لئے "لاٹھی" کا انتظام بھی رکھے۔ اصولی اور عمومی طور پر وہ پرامن ہو۔ وہ لوگوں کے ساتھ تواضع اور نرمی کا رویہ اختیار کرے۔ مگر اسی کے ساتھ کم از کم دکھانے کی حد تک وہ اپنے آس پاس "لاٹھی" بھی کھڑی رکھے تاکہ اس قسم کے لوگوں کو اس کے اوپر حملہ کی جرأت نہ ہو سکے ——— ٹھیک ویسے ہی جیسے قدرت ایک شاخ پر نرم و نازک پھول کھلاتی ہے تو اسی کے ساتھ وہ شاخ کے چاروں طرف کانٹے بھی اگا دیتی ہے۔

تاریخ سبق دیتی ہے

آٹو مین لینڈر (۱۹۸۰ - ۱۸۹۵) ایک یہودی سائنس داں تھا۔ وہ جرمنی میں پیدا ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں وہ ہٹلر کے وی ٹو راکٹ (V-2 Rocket) کے منصوبہ میں کام کر رہا تھا۔ ہٹلر کے زمانہ میں جرمنی میں پہلی بار یہ راکٹ تیار کئے گئے۔ ان راکٹوں نے لندن میں زبردست دہشت پھیلا دی تھی۔ ہٹلر نے جب اپنے ملک کے یہودیوں کے خلاف ظلم و زیادتی شروع کی تو آٹو مین لینڈر (Otto Mainlander) اور دوسرے یہودی سائنس داں ہٹلر سے سخت برہم ہو گئے۔

اس برہمی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آٹو مین لینڈر اور تقریباً ایک درجن یہودی سائنس داں جو ہٹلر کے راکٹ کے منصوبہ میں کام کر رہے تھے، وہ ضروری سامان اور فنی رازلے کر بھاگ گئے اور ان کو امریکہ کے حوالے کر دیا۔ امریکہ میں بھی راکٹ کی سائنس پر ابتدائی تجربات ہو رہے تھے۔ جرمنی کے یہودی ماہرین کی مدد حاصل ہونے کے بعد اس تحقیق میں مزید تیزی پیدا ہوئی۔ چنانچہ امریکہ نے راکٹ تیار کر کے جرمن علاقوں پر اتنی تیزی سے حملے کئے کہ ہٹلر کو دفاع کی پوزیشن میں ڈال دیا۔ انھیں جرمن یہودیوں کی مدد سے امریکہ نے وہ ایٹم بم تیار کئے جو ۱۹۴۵ میں جاپان پر گرائے گئے اور جس کے بعد دوسری جنگ عظیم کا فیصلہ اتحادیوں کے حق میں ہو گیا (۲۱ جنوری ۱۹۸۰)

تاریخ میں اس طرح کے واقعات بار بار ہوئے ہیں۔ کسی شخص یا گروہ کے زوال کا سبب اکثر اس کے وہ اپنے لوگ ہوتے ہیں جن کو وہ شخص یا گروہ اپنی آمرانہ پالیسی کی بنا پر ناراض کر دیتا ہے۔ یہ ناراض لوگ منفی نفسیات کا شکار ہو جاتے ہیں اور "بغض معاویہ" کے جذبہ کے تحت اس کے دشمنوں سے مل جاتے ہیں۔ اپنوں کے اس تعاون سے دشمن کو غیر معمولی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ اپنے حریف کے خلاف زیادہ مؤثر اقدام کر سکے۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنے حریف کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ حریف کے ساتھیوں کی مدد اس کے لئے اس مہم کو آسان کر دیتی ہے جو تنہا اپنی قوت سے اس کے لئے مشکل بنی ہوئی تھی۔ یہ بات ایک خاندان کے لئے بھی صحیح ہے اور ایک حکومت کے لئے بھی اور اسی طرح ایک پوری قوم کے لئے بھی۔

اپنوں کا ٹوٹ کر حریف سے ملنا بہت سے پہلوؤں سے نہایت خطرناک ہے۔ اس کا ایک سنگین پہلو یہ ہے کہ حریف کو اپنے دشمن کے راز معلوم ہو جاتے ہیں۔ وہ دشمن کے کمزور پہلوؤں کو جان کر اس کے مطابق اپنا منصوبہ بناتا ہے اور ٹھیک اس مقام پر وار کرتا ہے جہاں اس کا حریف سب سے کم مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں ہو۔

موجودہ زمانہ کی مسلم تحریکوں نے "ظالمانہ نظام" کو ختم کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ مگر یہی تحریکیں "عادلانہ نظام" کو قائم کرنے میں سراسر ناکام رہیں۔ اس کی وجہ مذکورہ بالا حقیقت کی روشنی میں سمجھی جا سکتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک ظالمانہ نظام کو توڑنے کے لئے صرف ظلم دشمنوں کی فوج مل جانا کافی ہے اور وہ ذاتی اسباب کے تحت بہت آسانی سے مل جاتی ہے۔ مگر عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لئے عدل دوستوں کی ضرورت ہے اور حقیقی معنوں میں عدل دوست اتنے کم ہیں کہ صرف امکان ہی کے درجہ میں ان کا وجود تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشترک دشمنی کی بنیاد پر قائم ہونے والا اتحاد مشترک دوستی کی بنیاد نہ پا کر ٹوٹ جاتا ہے۔ نفرت اور بغض کی بنیاد پر اٹھنے والی تحریک محبت کی فضا پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ظلم دشمنی کی بنیاد پر اٹھنے والی بھیڑ عدل دوستی کا نظام قائم نہیں کر سکتی۔

یہ ایک پابند زندگی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے رسی میں بندھا ہوا گھوڑا، وہ گھومتا ہے پھر اپنے کھونٹے کی طرف واپس آجاتا ہے۔ (مثل المومن ومثل الایمان کمثل الفرس فی آخیتہ یجول ثم یرجع الیٰ آخیتہ) جانور ایک ظاہری رسی میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر ایمان اس طرح کی کوئی ظاہری رسی نہیں ہے۔ یہ ایک نظر نہ آنے والی رسی ہے۔ جانور مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنی رسی سے آگے نہ جائے۔ مومن یہی کام اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ اللہ کی پکڑ کا اندیشہ اس کے لئے ایک نہ دکھائی دینے والی رسی بن جاتا ہے۔ جو ہر وقت اس کو اندر سے تھامے رہتا ہے۔ وہ وہاں تک جاتا ہے جہاں تک جانے کی اللہ نے اجازت دی ہے اور وہاں جانے سے رک جاتا ہے جہاں جانے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ وہ اللہ کا ایک بندھا ہوا بندہ ہوتا ہے نہ کہ آزاد چھوٹا ہوا جانور۔

دنیا میں آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ اختیار رکھتے ہوئے بے اختیار ہو جائے۔ وہ آزادی کا موقع پاتے ہوئے اپنے کو پابند بنالے۔ وہ ایک آدمی پر غصہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو مگر وہ اس کو معاف کر دے۔ ایک حق بات اس کے سامنے آئے اور وہ اس کو جھٹلانے کے لئے آزاد ہو پھر بھی وہ اس کے آگے جھک جائے۔ وہ ایک شخص کے ساتھ ظلم کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔ وہ ایک شخص کا مال ہڑپ کر لینے کی طاقت رکھتا ہو مگر وہ اس کا مال اسے لوٹا دے۔ وہ ایک شخص کو نظر انداز کر دینے کی حیثیت میں ہو مگر اللہ کے خیال سے اس کو نظر انداز نہ کرے۔

اللہ نے ہر معاملہ میں آدمی کے لئے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ آدمی کو اسی حد کے اندر رہنا ہے، اس کے باہر نہیں جانا ہے۔ دوسرے کے بارے میں رائے قائم کرنے کی حد یہ ہے کہ وہ خارجی واقعات کی بنیاد پر رائے قائم کرے۔ اس لئے آدمی کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ قیاس اور گمان کی بنیاد پر دوسرے کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے۔ تلاش معاش کی حد یہ ہے کہ آدمی محنت اور دیانت داری کے ساتھ کما کر جو چیز پائے اس کو اپنی چیز سمجھے، اس لئے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ دھوکا اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے مال کو وہ اپنا مال سمجھ لے۔ تنقید کی حد یہ ہے کہ واضح دلائل کی بنیاد پر کسی کا رد کیا جائے اس لئے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ دلیل کے بغیر کسی کو برا بھلا کہنے لگے۔ گفتگو کی حد یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ انداز میں اپنی بات دوسرے کے سامنے رکھے اس لئے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ گالی گلوج کی زبان میں بولنے لگے۔ کسی کو برا سمجھنے کی حد یہ ہے کہ معلوم واقعات سے ثابت ہو جانے کے بعد اس کو برا سمجھا جائے، اس لئے آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ نامعلوم اور غیر ثابت شدہ چیزوں کی روشنی میں کسی کے بارے میں برا خیال قائم کرلے۔

رسی سے بندھا ہوا گھوڑا رسی کی لمبائی تک آزاد ہوتا ہے اور اس کے بعد پابند۔ مومن خدا کی اجازت کے دائرے میں آزاد ہے اور خدا کی ممنوعات کے دائرے میں پابند۔ جو شخص اس حد بندی کو قبول کر کے زندگی گزارے وہی مومن ہے اور اسی کے لئے آخرت کی جنتیں ہیں۔ جو شخص اس حد بندی کو قبول نہ کرے وہ خدا کی نظر میں مجرم ہے اور آخرت میں اس کے لئے جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔

باہمی اختلاف

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین (انفال ۴۶)

اے مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تمھارے اندر کمزوری آجائے گی اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مسلمان اگر مل جل کر رہیں۔ وہ اللہ اور رسول کی مرکزیت کے گرد متحد رہیں تو وہ زبردست طاقت ہوتے ہیں، دیگر قوموں کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ان کے اکثر کام محض رعب و دبدبہ سے انجام پاتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ان میں آپس کا اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسروں کی نظر میں ان کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ ان کے دشمن ان پر ہاتھ ڈالنے کے لئے جری ہو جاتے ہیں۔

اتحاد و اتفاق کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ صبر ہے۔ کیوں کہ جب بھی بہت سے لوگ ایک ساتھ رہیں گے تو ان کے درمیان طرح طرح کی شکایتیں پیدا ہوں گی۔ ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچے گی۔ کبھی کسی کی تنقید پر کسی کو غصہ آئے گا، کبھی کسی کی ترقی سے کسی کے دل میں جلن پیدا ہوگی۔ کبھی لین دین میں ایک دوسرے کا مفاد ٹکرائے گا۔ کبھی ایک شخص کی امیدیں دوسرے سے پوری نہ ہوں گی اور اس کے جذبات کو ٹھیس لگے گی۔ اس طرح کے بہت سے اسباب ہیں جو لازماً پیدا ہوں گے۔ ان اسباب کی پیدائش کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ ممکن صرف یہ ہے کہ آدمی ناخوش گواریوں کو سہے اور جب بھی اس قسم کی کوئی صورت پیش آئے تو اللہ کے لئے اس پر صبر کرلے۔ اختلاف کو برداشت کرنے کی زمین پر اتحاد وجود میں آتا ہے نہ کہ اختلاف کو ختم کرنے کی زمین پر۔ جو لوگ اختلاف اور شکایت کو برداشت کرکے متحد رہ سکیں وہی اپنے درمیان اتحاد قائم کرتے ہیں۔ زندگی کی بیشتر کامیابیوں کا راز صبر ہے اور اسی طرح اتحاد کا بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اتحاد نام ہے اختلاف کے باوجود متحد رہنے کا۔ اگر یہ برداشت اور یہ وسعت ظرف نہ ہو تو اتحاد کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔

آج ہر طرف مسجدیں بھری ہیں۔ ہر جگہ بے شمار لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود مسلمان کیوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں پر اللہ کی نصرت کیوں نازل نہیں ہوتی۔ اتنے بے شمار لوگ اللہ سے تعلق جوڑے ہوئے ہیں، پھر بھی اللہ ان کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے مسلمانوں کا باہمی اختلاف۔ خدا سے جڑنے کے لئے ہر آدمی مسجد کی طرف بھاگ رہا ہے مگر انسان سے جڑنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ انفرادی عبادت ہر ایک کر رہا ہے۔ مگر اجتماعی عبادت جس کا دوسرا نام اتحاد ہے، اس میں اپنے کو شامل کرنے کی اہمیت کو کوئی نہیں جانتا۔

باعزت زندگی ایک ایک مسلمان کو الگ الگ نہیں مل سکتی۔ وہ جب بھی ملے گی پورے گروہ کو یکجائی طور پر

ملے گی۔ مسلمانوں کے لئے باعزت زندگی کا ملنا ایک اجتماعی واقعہ ہے۔ اس کے لئے اللہ کی اجتماعی مدد درکار ہے۔ اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ اجتماعی مدد وہ ہمیشہ اجتماعی عمل پر نازل کرتا ہے۔ انفرادی عمل پر اجتماعی مدد کبھی نہیں آتی۔ آدمی نماز میں خدا سے "ملاقات" کر کے مسجد سے باہر آتا ہے تاکہ وہ بندوں سے "ملاقات" کرے۔ مگر وہ بندوں کی طرف سے منھ پھیر لیتا ہے۔ خدا سے جڑنے والا بندوں سے جڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ سے جڑ کر بھی وہ اکیلا رہتا ہے۔ کروروں مسلمان روزانہ اللہ سے جڑ رہے ہیں مگر وہ آپس میں جڑ کر متحدہ ملت نہیں بنتے۔ حالاں کہ اللہ سے جڑنے کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ کے بندوں کے ساتھ جڑ جائے۔ اللہ سے "اتحاد" اور اللہ کو ماننے والوں سے "اختلاف" خدا کے غضب کو بھڑکانے والا عمل ہے نہ کہ خدا کی نصرت کو کھینچنے والا۔

جب ایسا ہو کہ لوگ اللہ سے جڑتے ہوئے نظر آتے ہوں مگر وہ بندوں کے ساتھ نہ جڑ رہے ہوں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے بھی جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ ظاہری عبادت کو دہرا رہے ہیں مگر عبادت کی حقیقت سے خالی ہیں۔ اللہ کے ساتھ جڑنا آدمی کے اندر تواضع پیدا کرتا ہے ایسا آدمی مسجد سے باہر انسانوں کے ساتھ انانیت اور سرکشی کا مظاہرہ کس طرح کرے گا۔ اللہ سے جڑنا آدمی کو حساب کے دن کی یاد دلاتا ہے پھر ایسا آدمی بندوں کے درمیان خدا کی پکڑ سے بے خوف ہو کر کس طرح رہے گا۔ اللہ سے جڑنا آدمی کے اندر خداوندی اوصاف پیدا کرتا ہے پھر وہ دوسروں کے اوپر مہربانی کرنے سے کیوں کر خالی ہو سکتا ہے جو اللہ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ اللہ سے جڑنا آدمی کو ایک ایسی ہستی کا پڑوس عطا کرتا ہے جو تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے پھر ایسے آدمی سے دوسروں کو برائی کا تجربہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ سے جڑنا آدمی کو اس روز حساب کی یاد دلاتا ہے جب کہ ہر آدمی بے لاگ انصاف کے ترازو پر کھڑا کیا جائے گا۔ پھر وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ بے انصافی کر کے یہ خطرہ کیسے مول لے سکتا ہے کہ قیامت کے دن وہ خدا کی پکڑ کی زد میں آجائے۔ اللہ سے جڑنا اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی اللہ سے درخواست کرے کہ وہ اس کی غلطیوں سے درگزر فرمائے پھر جو آدمی خود اپنے لئے عفو و درگزر کی درخواست کر رہا ہے وہ دوسروں کے ساتھ سخت گیری کا رویہ کس طرح اختیار کر سکتا ہے۔ سورج کی دنیا میں رہنے والا کبھی تاریکی نہیں پھیلاتا پھولوں کے پڑوس میں رہنے والا کبھی بدبو نہیں بکھیرتا۔ یہی معاملہ بندہ مومن کا ہے۔ مومن خدا اور فرشتوں کی صحبت میں اپنے روز و شب گزارتا ہے۔ پھر جو آدمی خدا اور فرشتوں کی صحبت میں رہے اس سے کسی کو ظلم اور بدخواہی کا تجربہ کیسے ہو سکتا ہے اور جس معاشرہ میں ظلم اور بدخواہی نہ ہو وہاں اختلاف کا کیا گزر۔

یہ اوصاف جب کسی کے اندر پیدا ہو جائیں تو اس کے اندر سے ان اوصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو آدمی کو بندوں سے دور کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کا خدا سے جڑنا لازماً بندوں سے جڑنا بن جاتا ہے۔ اور جب بندے باہم جڑ جائیں تو اللہ کو یہ منظر اتنا زیادہ پسند ہے کہ وہ کل صبح آنے والی بارش کو آج شام ہی ان پر برسا دیتا ہے، وہ کل کی نعمتوں کو آج ہی اپنے بندوں پر انڈیل دیتا ہے۔ اتحاد کسی گروہ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اتحاد اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اتحاد دنیا کی عزت بھی ہے اور اتحاد آخرت کی عزت بھی۔

خدا کی مدد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے ایک غزوۂ خندق ہے جو شوال ۵ ھ میں پیش آیا۔ اس کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے یعنی فوجوں کا غزوہ۔ اس جنگ میں عرب کے مختلف قبیلوں نے مل کر مدینہ پر حملہ کر دیا تھا۔ قبائل قریش، قبائل غطفان اور قبائل یہود کے دس ہزار سے زیادہ افراد اس میں شریک تھے۔ یہ حملہ کتنا شدید تھا، اس کا اندازہ قرآن کے ان الفاظ سے ہوتا ہے: "جب وہ اوپر سے اور نیچے سے تمہارے اوپر چڑھ آئے۔ اس وقت ڈر کی وجہ سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منھ کو آگئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت اہل ایمان کی بڑی جانچ ہوئی اور وہ بہت ہلا مارے گئے (احزاب) مخالفین اسلام کا یہ لشکر پوری طرح ہتھیار بند تھا۔ اس میں ساڑھے چار ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔

دشمنوں نے مدینہ کو اس طرح گھیرے میں لے لیا کہ باہر سے ہر قسم کی امداد آنا بند ہوگئی۔ سامان رسد کی اتنی کمی ہوئی کہ لوگ فاقے کرنے لگے۔ اسی دوران کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے بھوک کی شکایت کی اور کُرتا اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اپنا کُرتا اٹھایا تو آپ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ مختلف قبائل ایک ساتھ ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سلمان فارسی کی رائے کے مطابق طے ہوا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ اس وقت مدینہ تین طرف سے پہاڑوں، گھنے درختوں اور مکانات کی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ شمال مغربی حصہ خالی تھا۔ طے ہوا کہ اس کھلے ہوئے حصہ میں دو پہاڑوں کے درمیان خندق کھودی جائے۔ چنانچہ چھ دن کی لگاتار محنت سے ایک خندق کھود کر تیار کی گئی۔ یہ خندق دشمنوں کی یلغار کو روکنے کے لئے اتنی کارآمد ثابت ہوئی کہ اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق پڑ گیا۔

سیرت کی کتابوں میں خندق کی تفصیلات جب ہم پڑھتے ہیں تو ایک سوال سامنے آتا ہے۔ "ایک معمولی خندق دشمنوں کی فوج کو روکنے کا سبب کیسے بن گئی" مذکورہ تفصیلات کے مطابق یہ خندق تقریباً چھ کیلومیٹر لمبی تھی۔ اور اس کی گہرائی اور چوڑائی ایک معمولی نہر سے زیادہ نہ تھی۔ وہ تقریباً ڈھائی میٹر گہری اور تقریباً تین میٹر چوڑی تھی۔ اس قسم کی ایک خندق ایک مسلح فوج کے لئے ایک نالی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ وہ لوگ بآسانی اس کو عبور کر کے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خندق کے باوجود مسلمان دشمن فوج کی تیروں کی زد میں تھے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم کچھ لوگ خندق کے دوسری طرف پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ عمر بن عبدود اور اس کے کچھ ساتھیوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کا جائزہ لیا اور ایک جگہ خندق کو کچھ کم چوڑی دیکھ کر وہاں ٹھہرے اور گھوڑا کدا کر خندق کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ اس کے بعد عمرو بن عبدود کا مقابلہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا جس میں عمرو بن عبدود مارا گیا۔ تقریباً ایک مہینہ کا یہ محاصرہ اپنے آخری دنوں میں آندھی

اور طوفان کے بعد ختم ہوگیا۔ آندھی نے دشمن کے لشکر میں اتنی بدحواسی پیدا کی کہ ابوسفیان نے اونٹ کی رسی کھولے بغیر اونٹ پر بیٹھ کر اس کو ہانکنا شروع کر دیا۔ پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ ۱۰ ہزار سے زیادہ تعداد کی مسلح فوجیں خندق کو عبور کرکے مدینہ میں کیوں نہ داخل ہوئیں جہاں تین ہزار آدمیوں کا بے سروسامان قافلہ ان کی یلغار کو روکنے کے لئے بالکل ناکافی تھا۔

اس سوال کا جواب خدا کی ایک سنت میں ملتا ہے۔ وہ سنت یہ کہ اللہ اہل ایمان کی طاقت ان کے دشمنوں کو بڑھا کر دکھاتا ہے تاکہ وہ مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جائیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے "ہم منکروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ کیوں کہ انھوں نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری (آل عمران ۱۵۱) اللہ تعالیٰ کی یہ نصرت رعب غزوۂ خندق میں اور دوسرے مواقع پر ظاہر ہوئی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی کھودی ہوئی نالی ان کے دشمنوں کو بہت بڑی خندق کی صورت میں دکھائی دی۔ ہم مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں کو تھکا کر ایک "نالی" کھودنا ضروری ہے۔ اگر وہ نالی کھودنے میں اپنے ہاتھوں کو نہ تھکائیں تو خدا ان کی نالی کو خندق بنا کر کس طرح دکھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت رعب جو قرن اول کے مسلمانوں کو کمال درجہ میں حاصل ہوئی وہ بعد کے دور کے مسلمانوں کو بھی مل سکتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس راستہ پر چلیں جس راستہ پر صحابہ خدا کے رسول کی رہنمائی میں چلے۔ کسی اور راستہ پر چلنے والے شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ پھر ان کو خدا کی نصرت کس طرح ملے گی۔ اللہ کی نصرت کا مستحق آدمی اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو حق کے ساتھ اس طرح شامل کرے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کو وہ حق کے حوالے کر دے، وہ اپنے سر کا تاج دوسرے کے سر پر رکھ دے جیسا کہ ہجرت کے بعد مدینہ کے لوگوں نے کیا۔

خدا کی نصرت کا مستحق بننے کی شرط ایک لفظ میں یہ ہے کہ "جب تم مدد کروگے تو تمھاری مدد کی جائے گی"۔ خدا ہماری مدد پر اس وقت آتا ہے جب کہ ہم دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ہم خدا سے اپنے لئے چاہتے ہیں۔ ہماری ذات سے اگر دوسروں کو زحمت پہنچ رہی ہو تو خدا کے فرشتے ہمارے لئے خدا کی رحمت کا تحفہ لے کر نہیں آسکتے۔ اگر ہمارا یہ حال ہو کہ جس پر ہمارا قابو چلے اس کو ہم ناحق ستانے لگیں تو ناممکن ہے کہ خدا وہاں ہماری مدد کرے جہاں کوئی دوسرا ہمارے اوپر قابو پاکر ہمیں ستانے لگتا ہے۔ ایک آدمی اپنی مصیبت میں ہم کو پکارے اور ہم استطاعت کے باوجود اس کی پکار پر دھیان نہ دیں تو کبھی یہ ممکن نہیں کہ خدا اس وقت ہماری پکار کو سنے جب کہ کوئی طاقت ور ہمارے اوپر چڑھ آتا ہے اور ہم خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے مقابلہ میں آدمی طاقت ور ہوتا ہے اور کسی کے مقابلہ میں کمزور۔ یہی صورت حال نصرت خداوندی کے معاملہ میں آدمی کے امتحان کا پرچہ ہے۔ کوئی شخص یا قوم اپنے طاقت وروں کے مقابلہ میں خدا کی جو نصرت چاہے اس کا ثبوت اس کو اپنے کمزوروں کے معاملہ میں دینا پڑتا ہے۔ اگر آدمی اپنے کمزوروں پر ظلم کرتا ہو تو اپنے طاقت وروں کے مقابلہ میں وہ خدا کی مدد کا مستحق نہیں بن سکتا، خواہ وہ کتنا ہی خدا کو پکارے، خواہ وہ کتنا ہی یوم دعا منائے۔

پیغمبر اسلام کا کردار

طائف کی وہ شام بھی کس قدر بھیانک تھی جب شہر کے لڑکے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر شہر سے باہر نکال رہے تھے۔ آپ مکہ سے پچاس میل کا پیدل سفر طے کرکے حجاز کے رئیسوں کے گرمائی صدر مقام پہنچے تھے تاکہ انھیں دین اسلام کی دعوت دیں۔ مگر طائف کے رئیسوں نے آپ کے خیر خواہانہ پیغام کو سننے کے بجائے شہر کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ شریر لڑکے اس وقت تک آپ کا پیچھا کرتے رہے جب تک سورج نے غروب ہوکر آپ کے اور ان لڑکوں کے درمیان تاریکی کا پردہ نہ ڈال دیا۔ آپ کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سر سے پاؤں تک آپ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ نے تھک کر انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ غور کیجئے۔ یہ کسی آدمی کے لئے کتنا نازک وقت ہوتا ہے۔ آپ نے خود ایک بار اپنی بیوی حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا کہ طائف کی یہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔ مگر آپ کی زبان سے اس انتہائی سنگین موقع پر اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی برا کلمہ نہیں نکلا۔ بلکہ آپ نے فرمایا "خدایا ان کو صحیح راستہ دکھا، کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں"۔ اللہ کے رسولؐ کا یہی اخلاق تھا جس نے آپ کے دشمنوں کو اس طرح زیر کیا کہ سارے عرب نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا۔ آپ کے اعلیٰ کردار کے آگے کوئی تعصب، کوئی عداوت اور کوئی ہٹ دھرمی ٹھہر نہ سکی۔ آپ کی بلند سیرت لوگوں کو جادو کی طرح مسخر کرتی چلی گئی۔

ایک بار آپ نے فرمایا: صلۂ رحمی یہ نہیں ہے کہ تم صلۂ رحم کرنے والوں کے ساتھ صلۂ رحم کرو۔ بلکہ صلۂ رحمی یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اس کے ساتھ تم صلہ رحم کرو (بخاری۔ کتاب الادب) تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اسلام کے کچھ دشمنوں نے حضرت عائشہ رضو پر بدکاری کی تہمت لگائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور حضرت ابوبکر رضہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ تہمت سراسر جھوٹ اور بے بنیاد تھی۔ اس فرضی داستان کو گھڑنے اور اس کو پھیلانے میں ایک شخص مسطح نام کا بھی شریک تھا۔ یہ شخص حضرت ابوبکر رضہ کا رشتہ دار تھا۔ اس کو ضرورت مند سمجھ کر حضرت ابوبکر رضہ اس کو ماہانہ کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر رضہ کو معلوم ہوا کہ ان کی معصوم صاحبزادی پر جھوٹی تہمت لگانے میں مسطح بھی شریک رہا ہے تو انھوں نے مسطح کی امدادی رقم بند کر دی۔ اس پر اللہ کے رسول صہ کے پاس یہ وحی آئی کہ اگر کوئی شخص معاشی اعتبار سے ضرورت مند ہے تو اس کے اخلاقی جرم کی وجہ سے اس کی مالی امداد بند نہ کرو۔ بلکہ اس کے جرم سے درگزر کرتے ہوئے اس کی معاشی امداد کو جاری رکھو ـــــ تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، محتاجوں اور راہ اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ ان کو معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (نور ۲۲) حضرت ابوبکر رضہ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر آپ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابوبکر رضہ پہلی بار سن کر چپ رہے۔ اس نے دوسری بار برا بھلا کہا تو اس وقت بھی آپ چپ رہے۔ مگر جب اس نے تیسری بار بدزبانی کی تو آپ خاموش نہ رہ سکے اور جواب میں بول اٹھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صہ فوراً وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت

ابوبکر رضہ نے پوچھا: اے خدا کے رسول آپ کیوں اٹھ گئے۔ آپ نے کہا: ابوبکر! جب تک تم چپ تھے، خدا کا فرشتہ تمھاری طرف سے جواب دے رہا تھا، جب تم خود بول پڑے تو فرشتہ وہاں سے چلا گیا (سنن ابی داؤد، کتاب الادب) اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ برائی کے جواب میں جب آدمی اپنی طرف سے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرتا تو وہاں خدا اس کی طرف سے انتقام لینے کے لئے موجود ہوتا ہے۔ مگر جب آدمی خود انتقام لینے پر اتر آئے تو خدا اس کے معاملہ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ خدا سے بہتر انتقام لے سکے۔

حضرت علی رضہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی عالم سے کچھ اشرفیاں قرض لیں۔ کچھ دن گزر گئے تو وہ یہودی تقاضے کے لئے پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ " اس وقت میرے پاس تمھارا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے " یہودی نے کہا " جب تک تم میرا قرض ادا نہ کرو گے میں تم کو نہیں چھوڑوں گا " چنانچہ ظہر کے وقت سے لے کر رات تک وہ آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے بیٹھا رہا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آپ اس کے خلاف کارروائی کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے اس کو ڈانٹ کر بھگانا چاہا۔ مگر آپ نے سب کو منع کر دیا۔ کسی نے کہا: " اے خدا کے رسول، ایک یہودی آپ کو قید کئے ہوئے ہے " آپ نے کہا کہ ہاں، مگر مجھ کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی حال میں صبح ہو گئی۔ جب اگلا دن شروع ہوا تو یہودی کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ یہودی مدینہ کا ایک مالدار آدمی تھا۔ کل تک اس نے چند اشرفیوں کے لئے آپ کا گھراؤ کر رکھا تھا۔ مگر آپ کے اعلیٰ کردار نے اس پر اتنا اثر کیا کہ اس نے اپنی ساری دولت آپ کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا کہ آپ اس کو جس طرح چاہیں خرچ کریں (بیہقی) عبداللہ بن ابی الحسماء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار میں نے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا۔ ابھی معاملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ مجھے کچھ ضرورت پیش آ گئی۔ میں نے کہا کہ آپ ٹھہرئے۔ میں گھر سے واپس آتا ہوں تو بقیہ معاملہ کو مکمل کروں گا۔ گھر پہنچنے کے بعد میں بعض کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین دن کے بعد یاد آیا تو میں اس مقام پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلعم موجود ہیں۔ آپ نے مجھ کو دیکھنے کے بعد صرف اتنا کہا: تم نے مجھ کو بہت تکلیف دی۔ میں تین دن سے یہاں تمھارا انتظار کر رہا ہوں (ابوداؤد) اس طرح کا عمل اپنے اندر اتنی کشش رکھتا ہے کہ انتہائی کٹر آدمی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت عائشہ رضہ بتاتی ہیں کہ یہودی عالموں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ جب وہ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: السام علیکم (تباہی ہو تم پر) حضرت عائشہ نے سنا تو ان سے برداشت نہ ہو سکا، انھوں نے کہا " بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ اور تم پر خدا کی لعنت ہو " آپ نے حضرت عائشہ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا اور کہا: " خدا مہربان ہے اور وہ ہر کام میں مہربانی کو پسند کرتا ہے " حقیقت یہ ہے کہ مخالف کا دل جیتنے کے لئے اس سے بڑا کوئی حربہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بدزبانی کا جواب نرم باتوں سے دیا جائے۔ ہتھیار کے حملہ کی تاب لانا تو ممکن ہے مگر کردار کے حملہ کے مقابلہ میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ یہاں ہر شخص کو اپنی ہار ماننی پڑتی ہے۔

براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر تین شرطوں کے ساتھ قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے یہاں چلا جائے تو مسلمان اس کو واپس کردیں گے۔ مگر جو مسلمان قریش کے پاس پہنچ جائے اس کو قریش واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ ہورہا تھا کہ ایک مسلم نوجوان ابوجندل مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچے۔ ان کو ان کے گھر والوں نے اسلام کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے اس حال میں حدیبیہ پہنچے کہ ان کا جسم بیڑیوں کی رگڑ سے زخمی ہورہا تھا۔ وہ فریاد کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجھ کو دشمنوں کے چنگل سے بچاؤ۔ یہ بے حد نازک وقت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے تلواریں نکال لیں۔ ابوجندل کے جذباتی واقعہ کو دیکھنے کے بعد لوگوں کا رجحان ہوگیا کہ معاہدہ کو توڑ کر ابوجندل کی زندگی کو بچایا جائے دوسری طرف مکہ والوں نے کہا: "محمد! ہمارے اور تمھارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے، یہ اس کی تکمیل کا پہلا موقع ہے"۔ بالآخر اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا کہ جو معاہدہ طے ہو چکا ہے اب اس سے ہم پھر نہیں سکتے۔ آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ بات بے حد تکلیف کی تھی۔ مگر آپ نے ابوجندل کو دوبارہ مکہ والوں کے حوالے کردیا (صحیحین) بظاہر اس واقعہ کے معنی یہ تھے کہ مظلوم کو دوبارہ ظالم کے چنگل میں دے دیا جائے۔ مگر اس واقعہ میں اصول پسندی کا جو شاندار عملی مظاہرہ ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم اندر سے بالکل ڈھ گئے۔ اب ان کا ابوجندل کو لے جانا اور اپنے یہاں ان کو قید میں رکھنا محض ایک عام واقعہ نہ رہا بلکہ ان کی طرف سے اخلاقی گراوٹ اور اسلام کے لئے اخلاقی بلندی کی ایک مثال بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ اسلام کی اخلاقی برتری سے مرعوب ہوگئے۔ وہاں کثرت سے لوگ مسلمان ہونے لگے۔ ابوجندل کا وجود مکہ میں اسلام کی زندہ تبلیغ بن گیا۔ حتیٰ کہ قید و بند کی حالت میں بھی ابوجندل ان کو اپنی قومی زندگی کے لئے خطرہ معلوم ہونے لگے۔ چنانچہ انھوں نے اس میں عافیت سمجھی کہ ان کو رہا کرکے مکہ کے باہر بھیج دیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضہ مدنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لوگوں کی طرف چند سوار بھیجے جو آپ کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ وہ شہر یمامہ کے حاکم ثمامہ بن اثال کو راستہ میں پاگئے اور اس کو گرفتار کرلائے۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ اس کے پاس آئے اور حال پوچھا۔ ثمامہ نے جواب دیا: "اگر تم نے مجھ کو قتل کردیا تو میری قوم تم سے میرے خون کا بدلہ لے گی۔ اور اگر تم مجھ کو چھوڑ دوگے تو میں عمر بھر تمھارا احسان مانوں گا اور اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا مال چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں"۔ رسول اللہ صہ نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ یہ واقعہ اس وقت کی دنیا میں بہت عجیب تھا۔ کیوں کہ قبائلی زندگی میں کسی دشمن کے ہاتھ آجانے کے بعد اس کا ایک ہی انجام تھا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کردیا جائے۔ رسول اللہ نے اس کے جسم کو تو قتل نہیں کیا مگر اپنے اخلاقی سلوک سے اس کی روح کو قتل کردیا۔ چنانچہ قید سے چھوٹنے کے بعد ثمامہ قریب کے ایک باغ میں گیا اور غسل کرکے دوبارہ مسجد میں آیا۔ لوگ حیران تھے کہ وہ دوبارہ کس لئے یہاں آیا ہے۔ مگر جب اس نے بلند آواز سے کلمہ شہادت ادا کرکے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صہ نے اس کو چھوڑ کر دراصل ہمیشہ کے لئے اس کو گرفتار کرلیا تھا۔ اس کے بعد ثمامہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ گیا۔ جب وہ حرم میں پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو ثمامہ کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو انھوں

نے کہا: "تم بے دین ہو گئے ہو"۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ثمامہ اسلام کی قوت کا ذریعہ بن گیا۔ اس زمانہ میں مکہ کے لوگوں کو باہر کے جن مقامات سے گندم فراہم ہوتی تھی ان میں یمامہ ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ ثمامہ نے مکہ والوں سے کہا کہ سن لو، محمد ص کی اجازت کے بغیر اب گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے یہاں نہیں آئے گا (صحیح مسلم) ——— کردار بظاہر ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس کو دے کر آدمی ہر چیز خرید لیتا ہے۔

اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ کہنے والا جو کچھ کہے اس پر وہ خود عمل کرتا ہو۔ کمزوروں کے ساتھ بھی وہ رعایت و شرافت کا وہی طریقہ اختیار کرے جو کوئی شخص طاقت ور کے ساتھ کرتا ہے۔ اپنے لئے اس کے پاس جو معیار ہو وہی معیار دوسروں کے لئے بھی ہو۔ مشکل حالات میں بھی وہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے۔ حتیٰ کہ دوسروں کی طرف سے پست کردار کا مظاہرہ ہو تب بھی وہ اعلیٰ کردار پر قائم رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے اخلاق کے کمال درجہ پر تھے۔ آپ نے کبھی اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑا۔ کوئی مصلحت یا کوئی اختلاف آپ کو اخلاق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آپ کے انتہائی قریبی ساتھیوں نے اس معاملہ میں جو گواہی دی ہے اس سے بڑی اور کوئی گواہی نہیں ہو سکتی۔

سعید بن ہشام تابعی نے آپ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ص کا اخلاق کیسا تھا۔ انھوں نے جواب دیا: آپ کا اخلاق تو قرآن تھا۔ گویا قرآن کی صورت میں مطلوب زندگی کا جو نقشہ آپ نے دوسروں کے سامنے پیش کیا خود آپ اسی نقشہ میں ڈھل گئے۔ انس بن مالک رضو کہتے ہیں کہ میں نے دس سال تک رسول اللہ ص کی خدمت کی مگر کبھی آپ نے اف تک نہ کیا اور نہ کبھی میرے کسی کام کی بابت آپ نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس کی بابت بھی آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں کیا۔ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے (صحیحین) امام احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو مارا اور نہ کسی دوسرے کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ البتہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ جب بھی آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان کو اختیار فرمایا، الّا یہ کہ وہ گناہ ہو۔ جو چیز گناہ ہوتی اس سے آپ تمام لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔ آپ کو خواہ کوئی بھی تکلیف پہنچائی گئی ہو کبھی آپ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ الایہ کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کردار تھا جس نے آپ کو دشمنوں کی نظر میں بھی قابل عزت بنا دیا۔ جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ ہر طرح کی مصیبت اور نقصان کے باوجود آپ کے ساتھ جُڑے رہے۔ اپنی مظلومی کے دور میں بھی آپ لوگوں کی نظر میں اتنے ہی محبوب تھے جتنا فتح و غلبہ کے دور میں۔ آپ کو دور سے دیکھنے والوں نے آپ کو جیسا پایا ویسا ہی ان لوگوں نے بھی پایا جو آپ کو قریب سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کا کردار ایسا نمونہ بن گیا جیسا نمونہ تاریخ میں دوسرا نہیں پایا جاتا۔

نوٹ: یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۹ جون ۱۹۶۸ کو نشر کی گئی۔

منافقین کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں۔ حالاں کہ اللہ کے ہیں زمین و آسمان کے خزانے مگر منافق اس کو نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو زور والا ہے وہ کمزور لوگوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ حالاں کہ زور صرف اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا، مگر منافق اس کو نہیں جانتے ۸ - ۷

کسی کے لئے رزق کا ایک دروازہ کھلے اور ایک آدمی اس کو بند کرنے کا منصوبہ بنائے تو یہ خدا کے تقسیم رزق کے نظام میں مداخلت کرنا ہے۔ جو شخص ایسا منصوبہ بنائے وہ بدترین جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو کوئی ٹھکانا ملا ہوا ہے۔ اب کوئی شخص اس کو اس ٹھکانے سے اجاڑنے کی سازش کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ قدرت کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔

خدا ہی دینے والا ہے اور خدا ہی چھیننے والا۔ دنیا میں کسی کو جو کچھ ملا ہے وہ خدا کے دئے سے ملا ہے اور وہی یہ طاقت رکھتا ہے کہ کسی سے کوئی چیز چھین لے۔ ایسی دنیا میں کسی شخص کا یہ منصوبہ بنانا کہ وہ کسی سے چھینے اور اس کو برباد کرے، خدا کو چیلنج کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہ اپنے کو بندہ کے مقام سے اٹھا کر خدا کے مقام پر بٹھانا ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بندہ کبھی خدا نہیں بن سکتا۔ اس لئے کسی بندہ کا ایسا منصوبہ اس دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

جب کوئی شخص کسی انسان کے خلاف سازش کرتا ہے تو وہ گویا خدا کے خلاف سازش کرتا ہے۔ خدا نے جس کو اپنی زمین پر آباد کیا اس کو وہ چاہتا ہے کہ اس کی زمین سے اجاڑ دے۔ خدا نے جس کو کھانا اور پانی دیا اس کو وہ چاہتا ہے کہ بھوکا اور پیاسا بنا دے۔ خدا نے جس کو گھر دیا اس کو وہ چاہتا ہے کہ بے گھر کر دے۔ خدا نے جس کو عزت دی اس کو وہ چاہتا ہے کہ بے عزت کر کے چھوڑ دے۔ ایسا آدمی خدا کے دئے کو چھین لینا چاہتا ہے۔ وہ خدا کے منصوبہ کو باطل کر دینا چاہتا ہے۔ ایسا شخص خدا کی اس کائنات میں مجرم ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ خود اس کو اجاڑ دیا جائے، بجائے کہ وہ کسی کو اجاڑنے میں کامیاب ہو۔ اس زمین و آسمان کے اندر سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کی جگہ پر بیٹھنا چاہے۔ وہ خدا کی تقسیم رزق میں خلل ڈالنے کا منصوبہ بنائے۔ ایسا شخص اگر کامیاب ہوتا ہوا دکھائی دے تو وہ خدا کی اس ڈھیل کی بنا پر ہوگا کہ اس کا جرم پوری طرح کھل جائے۔ تاکہ خدا جب اس کو پکڑے تو وہ ایک ثابت شدہ مجرم کو پکڑنا ہو۔

اللہ کی تقسیم رزق میں مداخلت کا یہ جرم اس وقت اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب کہ وہ حق کے داعیوں کے خلاف کیا گیا ہو۔ اللہ کے کچھ بندے اگر حق کی پیغام رسانی کا کام کر رہے ہوں تو وہ براہ راست اللہ کی توفیق سے کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی کا یہ منصوبہ بنانا کہ ان کا رزق بند کر دو یا ان کا آشیانہ اجاڑ دو تاکہ یہ کام ختم ہو جائے۔ بہت بڑی بھول ہے اور بہت بڑا جرم بھی۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو الٹا پھرا تو ہم نے ان پر تم کو نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو قبول ہے۔ پھر جب تمھارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس کے خلاف مشورہ کرتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا۔ اور اللہ ان کی سرگوشیوں کو لکھ رہا ہے۔ پس تم ان سے اعراض کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اور اللہ بھروسہ کے لئے کافی ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔ اور جب ان کو کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو وہ اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو رسول تک یا اپنے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو ان میں سے جو لوگ تحقیق کرنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت جان لیتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے ۸۳-۸۰

خدا کے داعی کو ماننا "اپنے جیسے انسان" کو ماننا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی خدا کو مان لیتا ہے مگر وہ خدا کے داعی کو ماننے پر راضی نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کا اصل امتحان یہی ہے کہ وہ خدا کے داعی کو پہچانے اور اس کی جانب اپنے کو کھڑا کرے۔ داعی کے معاملہ کو جب آدمی خدا کا معاملہ نہ سمجھے تو وہ اس کے بارے میں سنجیدہ بھی نہیں ہوتا۔ سامنے وہ رسمی طور پر ہاں کر دیتا ہے مگر جب الگ ہوتا ہے تو اپنی سابقہ روش پر چلنے لگتا ہے۔ وہ اس کے خلاف ایسی باتیں پھیلاتا ہے جن کا پھیلانا سراسر غیر ذمہ دارانہ فعل ہو۔ جو لوگ خدا کے داعی کے ساتھ اس قسم کا بے پروائی کا سلوک کریں وہ خدا کے یہاں یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ ہم نہیں جانتے تھے۔ آدمی اگر ٹھہر کر سوچے تو داعی کی صداقت کو جاننے کے لئے وہ کلام ہی کافی ہے جو خدا نے اس کی زبان پر جاری کیا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ اس کا کوئی بیان کسی بھی مسلمہ صداقت کے خلاف نہیں۔ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو انسانی فطرت کے خلاف ہو۔ اس میں کوئی ایسا بیان نہیں جو سابق آسمانی کتابوں کے ذریعہ جانی ہوئی کسی حقیقت سے ٹکراتا ہو۔ اس میں کوئی ایسا اشارہ نہیں جو تجربی علوم سے دریافت شدہ کسی واقعہ کے غیر مطابق ہو۔ حقائق واقعی سے یہ مکمل مطابقت اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہوا کلام ہے۔ تاہم کسی بھی سچائی کا سچائی نظر آنا اس پر موقوف ہے کہ آدمی سنجیدگی کے ساتھ اس کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ قرآن کا اختلاف کثیر سے خالی ہونا اس شخص کو دکھائی دے گا جو قرآن میں "تدبر" کرے۔ جو شخص تدبر کرنا نہ چاہے اس کے لئے بے معنی اعتراضات نکالنے کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک قیامت آکر موجودہ امتحانی حالات کا خاتمہ نہ کر دے۔

اسلامی معاشرہ وہ ہے جس کے افراد اتنے خود شناس ہوں کہ وہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنی نااہلی کو جان لیں۔ وہ کسی معاملہ کو اہل تر شخص کے حوالے کر کے اس کی رہنمائی پر راضی ہو جائیں۔ یہ خود شناسی ہی واحد چیز ہے جو اجتماعی زندگی میں کسی کو شیطان کے پیچھے چل پڑنے سے بچاتی ہے۔ آدمی اگر اپنے آپ کو نہ جانے تو وہ اہلیت نہ رکھتے ہوئے بھی نازک معاملات میں کود پڑتا ہے اور پھر خود بھی ہلاک ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاک کرتا ہے۔ اجتماعی معاملات میں بولنے سے زیادہ چپ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ شیطان کی مدد کرنا ہے کہ آدمی جو بات سنے اس کو دوسروں کے سامنے دہرانے لگے۔

پس لڑو اللہ کی راہ میں۔ تم پر اپنی جان کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو ابھارو۔ امید ہے کہ اللہ منکروں کا زور توڑ دے اور اللہ بڑا زور والا اور بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ جو شخص کسی اچھی بات کے حق میں کہے گا اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور جو اس کی مخالفت میں کہے گا اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب کوئی تم کو دعا دے تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا الٹ کر وہی کہہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے ۸۴ - ۸۷

دینداری کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی عملی طور پر جہاں ہے وہیں رہے۔ وہ اپنی حقیقی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔ البتہ کچھ اوپری مظاہر کا اہتمام کرکے سمجھے کہ میں دیندار بن گیا ہوں۔ ایسے دین سے کسی کو ضد نہیں ہوتی۔ لوگ اس کی مخالفت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ مگر جب دین کے ایسے تقاضے پیش کئے جائیں جو قربانی کا مطالبہ کرتے ہوں، جس میں آدمی کو اپنی بنی بنائی زندگی اجاڑنا پڑے تو اس کے سامنے آنے کے بعد لوگوں میں دو فریق ہو جاتے ہیں۔ ایک طبقہ دعوت کے مخالفین کا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سستے مظاہر کے ذریعہ اپنی دینداری کا سکہ قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ قربانی والے دین کے مخالف بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ ایسے دین کو اختیار کرنا ان کو برتری کے مقام سے اترنے کے ہم معنی نظر آتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جس کی فطرت زندہ ہوتی ہے۔ وہ چیزوں کو مفاد اور مصلحت سے اوپر اٹھ کر دیکھتا ہے۔ ایک بات کا حق ثابت ہو جانا ہی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو قبول کرلے۔ یہ صورت حال کبھی اتنی سنگین ہو جاتی ہے کہ حق کی تائید و حمایت میں زبان کھولنا جہاد کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس حق کے بارے میں خاموشی یا مخالفت کا رویہ اختیار کرنا آدمی کو انعام کا مستحق بنا دیتا ہے۔ تاہم جہاں تک پچھلے اہل ایمان کا تعلق ہے ان کو ہر حال میں یہ حکم ہے کہ عام معاشرتی تعلقات کو اس اختلاف سے متاثر نہ ہونے دیں۔ اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی رویہ اختیار نہ کریں۔ مسلمان کا رویہ ردعمل کے ردعمل میں نہیں بننا چاہئے بلکہ اس قسم کی چیزوں کو نظر انداز کرکے بننا چاہئے۔ یہ معاملہ اللہ سے متعلق ہے کہ وہ کس کو کیا بدلہ دے اور کسی کے لئے کیا فیصلہ کرے۔

نازک حالات میں دعوت حق کو زندہ رکھنے کی ضمانت صرف یہ ہوتی ہے کہ کم از کم داعی اپنی ذات کی سطح پر یہ عزم رکھے کہ وہ ہر حال میں اپنے موقف پر قائم رہے گا خواہ کوئی تائید کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسے حالات میں داعی کا عزم اس کو اللہ کی خصوصی نصرت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال بدر صغریٰ کا غزوہ ہے جو احد کے صرف ایک ماہ بعد پیش آیا۔ اس وقت مدینہ میں ایسی کیفیت چھائی ہوئی تھی کہ صرف ستر آدمی رسول اللہ کے ساتھ نکلے۔ مگر اس مختصر قافلہ کو اللہ کی خصوصی مدد ملی کہ مکہ والوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ مقابلہ میں نہ آسکے۔ خدا کی سنت ہے کہ وہ منکرین کا زور توڑے۔ مگر خدا کی یہ سنت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ دین کے علم بردار اپنی بے سرو سامانی کے باوجود خدا کے دشمنوں کا زور توڑنے کے لئے نکل پڑے ہوں۔

پھر تم کو کیا ہوا ہے کہ تم منافقوں کے معاملہ میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ حالاں کہ اللہ نے ان کے اعمال کے سبب سے ان کو الٹا پھیر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو راہ پر لاؤ جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تم ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے انکار کیا ہے تم بھی انکار کرو تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ۔ پس تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پھر اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ انھیں قتل کرو اور ان میں سے کسی کو ساتھی اور مددگار نہ بناؤ۔ مگر وہ لوگ جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے تنگ ہو رہے ہیں تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو وہ ضرور تم سے لڑتے۔ پس اگر وہ تم کو چھوڑے رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہارے ساتھ صلح کا رویہ رکھیں تو اللہ تم کو بھی ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسرے کچھ ایسے لوگوں کو بھی تم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ جب کبھی وہ فتنہ کا موقع پائیں وہ اس میں کود پڑتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر تم سے یکسو نہ رہیں اور تمہارے ساتھ صلح کا رویہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں پاؤ۔ یہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلی حجت دی ہے ۹۱ — ۸۸

آدمی جب اللہ کے دین کو اختیار کرتا ہے تو اس کے بعد اس کی زندگی میں بار بار ایسے مرحلے آتے ہیں جہاں یہ جانچ ہوتی ہے کہ وہ اپنے فیصلہ میں سنجیدہ ہے یا نہیں۔ اسی سلسلے کا ایک امتحان "ہجرت" ہے۔ یعنی دین کی راہ میں جب دنیا کے فائدے اور مصلحتیں حائل نظر آئیں تو فائدوں اور مصلحتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف بڑھ جانا۔ حتیٰ کہ اگر رشتہ دار اور گھر بار کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کو بھی چھوڑ دینا۔ ایسا نازک موقع پیش آنے کی صورت میں اگر ایسا ہو کہ آدمی اپنے فائدوں اور مصلحتوں کو نظر انداز کر کے حق کی طرف بڑھے تو اس نے حق کے ساتھ اپنے قلبی تعلق کو پختہ کیا۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ ایسے موقع پر آدمی اپنے فائدوں اور مصلحتوں سے لپٹا رہے تو اس نے حق کے ساتھ اپنے قلبی تعلق کو کمزور کیا۔ جو شخص پہلی راہ پر چلے اس کے اندر حق کی مزید قبولیت کا مادہ پیدا ہوتا ہے، وہ برابر حق کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اور جو شخص دوسری راہ کو اختیار کرے اس کے اندر حق کی قبولیت کا مادہ گھٹتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اتنا بے حس ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

جب دین کے سخت تقاضے سامنے آتے ہیں تو لوگوں میں مختلف گروہ بن جاتے ہیں۔ کوئی مخلصین کا ہوتا ہے اور کوئی مخالفین کا۔ اور کچھ ایسے لوگوں کا جو ظاہر میں حق سے قریب مگر اندر سے اس سے دور ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ اہل ایمان ہر ایک سے اس کے حسب حال معاملہ کریں۔ وہ فتنہ کے استیصال میں سخت اور اخلاقی ذمہ داریوں کو نبھانے میں نرم ہوں۔ وہ کمزوروں کے ساتھ رعایت کا سلوک کریں۔ دوسروں سے متاثر ہونے کے بجائے خود ان کو متاثر کرنے کی کوشش کریں۔ کسی کو اگر اللہ خاموش کر کے بٹھا دے تو اس سے بلا ضرورت لڑائی نہ چھیڑیں۔

اور مسلمان کا کام نہیں کہ وہ مسلمان کو قتل کرے مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردے تو وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دے الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر مقتول اگر ایسی قوم میں سے تھا جو تمھاری دشمن ہے اور وہ خود مسلمان تھا تو وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے۔ اور اگر وہ ایسی قوم سے تھا کہ تمھارے اور اس کے درمیان عہد ہے تو وہ اس کے وارثوں کو خوں بہا دے اور ایک مسلمان کو آزاد کرے۔ پھر جس کو میسر نہ ہو تو وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ توبہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ۹۲-۹۳

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق ہیں ان میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ اس کی جان کا احترام کرے۔ اگر ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دے تو اس نے سب سے بڑا معاشرتی جرم کیا۔ ایک شخص جب دوسرے شخص کو قتل کرتا ہے تو وہ اس کے اوپر آخری ممکن وار کرتا ہے۔ نیز یہ وہ جرم ہے جس کے بعد مجرم کے لئے اپنے جرم کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ قتل عمد کی سزا خلود فی النار ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس سے اللہ اتنا غضب ناک ہوتا ہے کہ اس کو ملعون قرار دے کر اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ البتہ قتل خطا کا جرم ہلکا ہے۔ کوئی شخص کسی مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے، اس کے بعد اس کو غلطی کا احساس ہو وہ اللہ کے سامنے روئے گڑگڑائے اور مقررہ قاعدہ کے مطابق اس کی تلافی کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ غلطی کے بعد مال خرچ کرنا یا مسلسل روزے رکھنا گویا خود اپنے ہاتھوں اپنے کو سزا دینا ہے۔ جب آدمی کے اوپر شدت سے یہ احساس طاری ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو گئی تو وہ چاہتا ہے کہ اپنے اوپر اصلاحی عمل کرے۔ اللہ نے بتایا کہ ایسی حالت میں آدمی کو اپنی اصلاح کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

یہاں اصلاً قتل کا حکم بتایا گیا ہے۔ تاہم اسی نوعیت کے دوسرے معاشرتی جرائم بھی ہیں اور مذکورہ حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دوسری چیزوں کے بارے میں شریعت کا تقاضا کیا ہے۔

ایک مسلمان کا فرض جس طرح یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو زندگی سے محروم کرنے کی کوشش نہ کرے، اسی طرح ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق بھی ہے کہ وہ اس کو بے عزت نہ کرے۔ اس کا مال نہ چھینے۔ اس کو بے گھر نہ کرے۔ اس کے روزگار میں خلل نہ ڈالے۔ اس کے سکون کو غارت کرنے کا منصوبہ نہ بنائے۔ وہ چیزیں جو اس کے لئے زندگی کے اثاثہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کسی چیز کو اس سے چھیننے کی کوشش نہ کرے۔ ایک آدمی اگر غلطی سے ایسا کوئی فعل کر بیٹھے جس سے اس کے مسلمان بھائی کو اس قسم کا کوئی نقصان پہنچ جائے تو اس کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہونا چاہئے اور غلطی کے احساس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے اور اپنے بھائی کے نقصان کی تلافی کرے۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ آدمی قصداً ایسی کارروائی کرے جس کا سوچا سمجھا مقصد اپنے بھائی کو نقصان پہنچانا اور اس کو پریشان کرنا ہو تو درجہ کے فرق کے ساتھ یہ اسی نوعیت کا جرم ہے جیسا قتل عمد۔

اے ایمان والو جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت سامان غنیمت ہے۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا تو تحقیق کر لیا کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ برابر نہیں ہو سکتے بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہیں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ مال و جان سے جہاد کرنے والوں کی نسبت اللہ نے بیٹھ رہنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں برتری دی ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۹۶ - ۹۴

عرب کے مخالف قبائل میں کچھ ایسے افراد تھے جو اندر سے مسلمان تھے مگر ہجرت کر کے ابھی اپنے قبیلہ سے کٹے نہیں تھے۔ ایک غزوہ میں ایسا ایک شخص مسلمان کی تلوار کی زد میں آگیا۔ اس نے "السلام علیکم" کہہ کر ظاہر کیا کہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ بعض پرجوش مسلمانوں نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ مسلمان نہیں ہے اور محض اپنے کو بچانے کی خاطر السلام علیکم کہہ رہا ہے۔ مگر السلام علیکم کہنے کی حد تک بھی کوئی شخص مسلمان ہو تو اس پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ جنگ کے موقع پر بھی نہیں جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ دشمن اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ کسی مسلمان کا مارا جانا اللہ کے نزدیک اتنا بڑا حادثہ ہے کہ ساری دنیا کا فنا ہو جانا بھی اس کے مقابلہ میں کم ہے (زوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل امرئ مسلم، حدیث)

جب بھی کوئی شخص اس قسم کا اسلامی جوش دکھاتا ہے کہ وہ دوسرے آدمی کی اسلامیت کو ناقابل تسلیم قرار دے کر اس کو سزا دینے پر اصرار کرتا ہے تو اس کے پیچھے ہمیشہ دنیوی محرکات ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی مادی لالچ، کبھی انتقام کی آگ، کبھی اپنے کسی حریف کو میدان سے ہٹانے کا شوق، بس اس قسم کے جذبات ہیں جو اس کا باعث بنتے ہیں۔ اگر آدمی کے سینہ میں اللہ سے ڈرنے والا دل ہو تو وہ اسلام کا اظہار کرنے والے کے الفاظ کو قبول کرے گا اور اس کے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر کے خاموش ہو جائے گا۔

عمل کے لحاظ سے مسلمانوں کے دو درجے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو فرائض کے دائرہ میں اسلامی زندگی اختیار کریں۔ وہ اللہ کی عبادت کریں اور حرام و حلال کے حدود کا لحاظ کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو قربانی کی سطح پر اسلام کو اختیار کریں۔ وہ خود اسلام کو اپناتے ہوئے دوسروں کو بھی اسلام پر لانے کی کوشش کریں اور اس راہ کی مصیبتوں کو برداشت کریں۔ وہ اسلام کے محاذ پر اپنی جان و مال کو لے کر حاضر ہو جائیں۔ وہ فرائض کے حدود میں نہ ٹھہریں بلکہ فرائض سے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو اسلام کے لئے پیش کر دیں۔ یہ دونوں ہی گروہ مخلص ہیں اور دونوں اللہ کی رحمتوں میں اپنا حصہ پائیں گے۔ مگر دوسرے گروہ کا معاملہ بنیادی طور پر الگ ہے۔ انھوں نے ناپ کر خدا کی راہ میں نہیں دیا اس لئے خدا بھی ان کو ناپ کر نہیں دے گا۔ انھوں نے مصلحتوں کی پروا کئے بغیر خدا کے مشن میں اپنے آپ کو شریک کیا اس لئے خدا بھی پروا کئے بغیر ان کو اپنی رحمتوں میں لے لے گا۔

جو لوگ اپنا برا کر رہے ہیں جب ان کی جان فرشتے نکالیں گے تو وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم زمین میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ مگر وہ بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ کوئی راہ پا رہے ہیں، یہ لوگ توقع ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے، پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں مقرر ہو چکا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے　۹۷ — ۱۰۰

مومن کی فطرت چاہتی ہے کہ اس کو آزادانہ ماحول ملے جہاں اس کی ایمانی ہستی کے اظہار کے لیے کھلے مواقع ہوں۔ جب بھی ایسا نہ ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اپنا ماحول بدل دے۔ اسی کا نام ہجرت ہے۔ ہجرت اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے یہ ہے کہ آدمی اپنے کو غیر موافق فضا سے نکالے اور اپنے کو موافق فضا میں لے جائے۔ ایک ادارہ ہے جس میں بعض شخصیتوں کا زور ہے۔ وہاں رہنے والا ایک آدمی محسوس کرتا ہے کہ میں یہاں شخصیت پرست بن کر تو رہ سکتا ہوں مگر خدا پرست بن کر نہیں رہ سکتا۔ اب اگر وہ آدمی اپنے مفاد کی خاطر ایسے ماحول سے مصالحت کر کے اس میں پڑا رہے اور جو چیز اس کو حق نظر آئے اس کے حق ہونے کا اعلان نہ کرے، یہاں تک کہ اسی حال میں مر جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اسی طرح کوئی قوم ہے جس کا ایک قومی مذہب ہے۔ وہ اسی شخص کو اعزاز عطا کرتی ہے جو اس کے قوم پرستانہ مذہب کو اپنائے، جو شخص ایسا نہ کرے وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ایک شخص اس قوم کا ساتھی بنتا ہے اور اسی حال میں اس کی موت آجاتی ہے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اسی طرح ایک ماحول میں حق کی دعوت اٹھتی ہے۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ بکھرے ہوئے اہل ایمان اس کی پشت پر جمع ہوں۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو اس کی خدمت میں لگائیں۔ وہ اپنے مال سے اس کی مدد کریں۔ مگر ایمان والے اپنے فائدوں اور مصلحتوں کے خول میں پڑے رہتے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ اپنے خول سے باہر آئیں اور حق کے قافلہ میں شریک ہو کر اس کی قوت کا باعث بنیں۔ اگر وہ اسی حال میں اپنی زندگی کے دن پورے کر دیتے ہیں تو وہ خدا کے یہاں اس حال میں پہنچیں گے کہ انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ تاہم وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو اس قدر معذور ہوں کہ ان سے کوئی تدبیر نہ بن رہی ہو اور نہ باہر سے ان کے لئے کوئی راہ کھل رہی ہو۔

آدمی اپنے ماحول میں ناموافق حالات دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ ساری دنیا اس کے لئے ایسی ہی ناموافق ہوگی۔ مگر خدا کی وسیع دنیا میں طرح طرح کے لوگ بستے ہیں۔ یہاں اگر "مکہ" ہے جہاں داعی کو پتھر مارے جاتے ہیں تو یہاں "یثرب" بھی ہے جہاں داعی کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو ماحول سے مصالحت کے بجائے ماحول کی تبدیلی کے اصول کو اپنانا چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ نئے مقام کو اپنا میدان عمل بنانا اس کے لئے نئے امکانات کا دروازہ کھولنے کا سبب بن جائے۔

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں کمی کرو، اگر تم کو ڈر ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے۔ بے شک کافر لوگ تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ اور جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور ان کے لئے نماز قائم کرو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے ہوئے ہو۔ پس جب وہ سجدہ کر چکیں تو وہ تمہارے پاس سے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔ اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔ کافر لوگ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے کسی طرح غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کے سبب سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پس جب تم نماز ادا کر لو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے۔ پھر جب اطمینان ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو۔ بے شک نماز اہل ایمان پر مقرر وقتوں کے ساتھ فرض ہے۔ اور قوم کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح دکھ اٹھاتے ہیں اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو امید وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۰۴–۱۰۱

دین میں جتنے اعمال بتائے گئے ہیں، خواہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی قسم سے ہوں یا تبلیغ اور جہاد کی قسم سے، سب کا آخری مقصود اللہ کی یاد ہے۔ تمام اعمال کا اصل مدعا یہ ہے کہ ایسا انسان تیار ہو جو اس طرح جئے کہ خدا اس کی یادوں میں بسا ہوا ہو۔ زندگی کا ہر موڑ اس کو خدا کی یاد دلانے والا بن جائے۔ اندیشہ کا موقع اس کو اللہ سے ڈرائے، امید کا موقع اس کے اندر اللہ کا شوق پیدا کرے۔ اس کا بھروسہ اللہ پر ہو۔ اس کی توجہات اللہ کی طرف لگی ہوئی ہوں۔ جو چیز ملے اس کو وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی جانے اور جو چیز نہ ملے اس کو وہ اللہ کے حکم کا نتیجہ سمجھے۔ اس کی پوری اندرونی ہستی اللہ کے جلال و جمال میں کھوئی ہوئی ہو۔ یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ جنگ کے نازک ترین موقع پر بھی کسی نہ کسی شکل میں نماز ادا کرنے کا حکم ہوا تاکہ موت کے کنارے کھڑے ہو کر انسان کو یاد دلایا جائے کہ وہ اصل چیز کیا ہے جو بندے کو اس دنیا سے لے کر اپنے رب کے پاس جانا چاہئے۔

اہل ایمان کا بھروسہ اگرچہ تمام تر اللہ پر ہوتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ حکم ہے کہ دشمنوں سے اپنے بچاؤ کا ظاہری سامان جہیا رکھو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی مدد ظاہری سامان کے اندر سے ہو کر ہی آتی ہے۔ اہل ایمان نے اگر اپنے بچاؤ کا ممکن انتظام نہ کیا ہو تو گویا انھوں نے وہ شکل ہی کھڑی نہیں کی جس کے ڈھانچہ میں اللہ کی مدد اتر کر ان کی طرف آئے۔ مومن کو دنیا میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ اللہ کے اس منصوبہ کی قیمت ہیں کہ وہ آزمائشی حالات پیدا کر کے دیکھے کہ کون سچائی پر قائم رہنے والا ہے اور کون دوسروں کو ناحق ستانے والا۔

اسلام اور غیر اسلام کی کش مکش میں کبھی اہل اسلام کو شکست اور نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت کچھ لوگ پست ہمت ہونے لگتے ہیں۔ مگر ایسے حادثات میں بھی اللہ کی مصلحت شامل رہتی ہے۔ وہ اس لئے پیش آتے ہیں کہ بندہ کے اندر مزید انابت اور توجہ ابھرے اور اس کے نتیجہ میں وہ اللہ کی مزید عنایتوں کا مستحق بنے۔

بے شک ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو دکھایا ہے۔ اور بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔ اور اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔ اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت والا اور گنہ گار ہو۔ وہ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے۔ حالاں کہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ وہ سرگوشیاں کرتے ہیں اس بات کی جس سے اللہ راضی نہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۱۰۵ — ۱۰۸

انسان کی یہ ضرورت ہے کہ وہ مل جل کر رہے۔ یہی ضرورت قوم یا گروہ کو وجود میں لاتی ہے۔ اجتماعیت سے وابستہ ہو کر ایک آدمی اپنی طاقت کو ہزاروں لاکھوں گنا بڑا کر لیتا ہے۔ مگر دھیرے دھیرے ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز اجتماعی ضرورت کے طور پر بنی تھی وہ اجتماعی مذہب کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ وہ بذات خود لوگوں کا مقصود بن جاتی ہے۔ اب یہ ذہن بن جاتا ہے کہ "میرا گروہ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ میری قوم خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر" اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنا حلقہ اہم دکھائی دیتا ہے اور دوسرا حلقہ غیر اہم۔ اپنے حلقہ کا آدمی اگر باطل پر ہے تب بھی اس کی حمایت ضروری سمجھی جاتی ہے اور دوسرے حلقہ کا آدمی اگر حق پر ہے تب بھی اس کا ساتھ نہیں دیا جاتا۔

کسی گروہ میں یہ ذہن بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی گروہی مصلحتوں اور جماعتی تعصبات کو معیار کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ہدایت کو معیار کا درجہ دے اور اس کی روشنی میں اپنا رویہ متعین کرے نہ کہ دنیوی مصلحتوں اور جماعتی تعصبات کے تحت۔ ایک آدمی غلطی کرے تو اس کا ہاتھ پکڑا جائے خواہ وہ اپنا ہو۔ ایک آدمی صحیح بات کہے تو اس کا ساتھ دیا جائے خواہ وہ کوئی غیر ہو۔ حتیٰ کہ ایسا معاملہ جس میں ایک فریق اپنا ہو اور ایک فریق باہر کا، تب بھی معاملہ کو اپنے اور غیر کی نظر سے نہ دیکھا جائے بلکہ حق اور ناحق کی نظر سے دیکھا جائے اور ہر دوسری چیز کی پروا کئے بغیر اپنے کو حق کی جانب کھڑا کیا جائے۔

سچائی کو چھوڑنا، خود اپنے آپ کو چھوڑنے کے ہم معنی ہے۔ جب آدمی دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے ساتھ خیانت کر چکا ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہر سینہ کے اندر اللہ نے اپنا ایک نمائندہ بٹھا دیا ہے۔ یہ انسان کا ضمیر ہے۔ جب بھی آدمی حق کے خلاف جانے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ اندر کا چھپا ہوا نمائندۂ حق اس کو ٹوکتا ہے۔ اس اندرونی آواز کو آدمی دباتا ہے اور اس کو نظر انداز کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ انصاف کے راستہ کو چھوڑے اور بے انصافی کے راستہ پر چل پڑے۔ مزید یہ کہ آدمی جب ناحق میں کسی کا ساتھ دیتا ہے تو وہ انسان کا لحاظ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دنیوی تعلقات اور مصلحتوں کی وجہ سے وہ ایک شخص کو نظر انداز نہیں کر پاتا اس لئے وہ اس کو غلط جانتے ہوئے اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ مگر ناحق کے باوجود ایک شخص کو نہ چھوڑنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے خدا کو چھوڑ دے۔ عین اس وقت جب کہ وہ دنیا میں ایک شخص کا ساتھ دیتا ہے، آخرت میں وہ خدا کے ساتھ سے محروم ہو جاتا ہے۔

تم لوگوں نے دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑا کرلیا۔ مگر قیامت کے دن کون ان کے بدلے اللہ سے جھگڑا کرے گا یا کون ہوگا ان کا کام بنانے والا۔ اور جو شخص برائی کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پائے گا۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہی حق میں کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو شخص کوئی غلطی یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے ایک بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو یہ ٹھان ہی لیا تھا کہ تم کو بہکا کر رہے گا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو بہکا رہے ہیں۔ وہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور تم کو وہ چیز سکھائی ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل ہے تم پر بہت بڑا ۱۳-۱۰۹

دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ہر آدمی سے غلطی ہوسکتی ہے۔ خدا کے معاملہ میں بھی اور بندوں کے معاملہ میں بھی۔ جب کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی غلطی پر شرمندہ ہو۔ وہ اللہ کی طرف اور زیادہ توجہ کے ساتھ دوڑے۔ وہ اللہ سے درخواست کرے کہ وہ اس کی غلطی کو معاف کردے اور آئندہ کے لئے اس کو نیکی کی توفیق دے۔ جو شخص اس طرح اللہ کی پناہ چاہے تو اللہ بھی اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ اللہ اس کے دینی احساس کو بیدار کرکے اس کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو کر دنیا میں رہنے لگے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی جب غلطی کرے تو وہ غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔ بلکہ اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی حمایت سے خود ان لوگوں سے لڑنے لگے جو اس کی غلطی سے اس کو آگاہ کر رہے ہیں۔ جو لوگ اپنی غلطی پر اس طرح اکڑتے ہیں اور جو لوگ ان کا ساتھ دیتے ہیں وہ خدا کے نزدیک بدترین مجرم ہیں۔ وہ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے جن الفاظ کا سہارا لیتے ہیں وہ آخرت میں بالکل بے معنی ثابت ہوں گے اور جن حمایتیوں کے بھروسے پر وہ گھمنڈ کر رہے ہیں وہ بالآخر جان لیں گے کہ وہ کچھ بھی ان کے کام آنے والے نہ تھے۔

ایک شخص کسی کا مال چرائے اور جب پکڑے جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو دوسرے کے گھر میں رکھ کر کہے کہ فلاں نے اس کو چرایا تھا۔ ایک شخص کسی عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہے اور جب وہ پاک دامن خاتون اس کا ساتھ نہ دے تو وہ جھوٹے افسانے گھڑ کر اس خاتون کو بدنام کرے۔ دو آدمی مل کر ایک کام شروع کریں۔ اس کے بعد ایک شخص کو محسوس ہو کہ اس کی ذاتی مصلحتیں مجروح ہو رہی ہیں، وہ تدبیر کرکے اس کام کو بند کرا دے اور اس کے بعد مشہور کرے کہ اس کے بند ہونے کی ذمہ داری فریق ثانی کے اوپر ہے۔ یہ سب اپنا جرم دوسرے کے سر ڈالنے کی کوششیں ہیں۔ مگر ایسی کوششیں صرف آدمی کے جرم کو بڑھاتی ہیں، وہ اس کو بری الذمہ ثابت نہیں کرتیں۔ اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ وہ ہدایت کے دروازے کھولے۔ وہ آدمی کو سمجھائے کہ غلطی کرنے کے بعد اپنی غلطی کو مان لو نہ کہ بحث کرکے اپنے کو صحیح ثابت کرو۔ کسی سے معاملہ پڑے تو ساتھیوں کے بل پر گھمنڈ نہ کرو بلکہ اللہ سے ڈر کر تواضع کا انداز اختیار کرو۔ کسی کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع مل جائے تو اپنے کو کامیاب سمجھ کر خوش نہ ہو بلکہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تم کو ظالم بننے سے بچائے۔

ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں۔ بھلائی والی سرگوشی صرف اس کی ہے جو صدقہ کرنے کو کہے یا کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں میں صلح کرانے کے لئے کہے۔ جو شخص اللہ کی خوشی کے لئے ایسا کرے تو ہم اس کو بڑا اجر عطا کریں گے۔ مگر جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلے گا، حالاں کہ اس پر راہ واضح ہو چکی تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ۱۱۴-۱۵

حق کی بے آمیز دعوت جب اٹھتی ہے تو وہ زمین پر خدا کا ترازو کھڑا کرنا ہوتا ہے۔ اس کی میزان میں ہر آدمی اپنے کو تلتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ حق کی دعوت ہر ایک کے اوپر سے اس کا ظاہری پردہ اتار دیتی ہے اور ہر شخص کو اس کے اس مقام پر کھڑا کر دیتی ہے جہاں وہ باعتبار حقیقت تھا۔ یہ صورت حال اتنی سخت ہوتی ہے کہ لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ سارا ماحول داعی کے لئے ایسا بن جاتا ہے جیسے وہ انگاروں کے درمیان کھڑا ہوا ہو۔

جو لوگ دعوتِ حق کے ترازو میں اپنے کو بے وزن ہوتا ہوا محسوس کرتے ہیں ان کے اندر ضد اور گھمنڈ کے جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔ وہ تیزی سے مخالفانہ رخ پر چل پڑتے ہیں۔ وہ چاہنے لگتے ہیں کہ ایسی دعوت کو مٹا دیں جو ان کی حق پرستانہ حیثیت کو مشتبہ ثابت کرتی ہو۔ ان کے لئے اپنی زبان کا استعمال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ دعوت اور داعی کے خلاف جھوٹی باتیں پھیلائیں۔ اس کو زیر کرنے کے منصوبے بنائیں۔ وہ لوگوں کو منع کریں کہ اس کی مالی مدد نہ کرو۔ جو اللہ کے بندے اللہ کی رسی کے گرد متحد ہو رہے ہوں ان کو بدگمانیوں میں مبتلا کر کے منتشر کریں۔

اس کے برعکس جو لوگ اپنی فطرت کو زندہ رکھے ہوئے تھے ان کو اللہ کی مدد سے یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ اس کے آگے جھک جائیں، وہ اس کا ساتھ دیں، وہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ان کی زبان کا استعمال یہ ہوتا ہے کہ وہ کھلے طور پر سچائی کا اعتراف کریں۔ وہ لوگوں سے کہیں کہ یہ اللہ کا کام ہے اس میں اپنا مال اور اپنا وقت خرچ کرو۔ وہ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ اپنی قوتوں کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں لگائیں۔ وہ آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ حق کا اعتراف ان کے اندر جو نفسیات جگاتا ہے اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے کاموں میں لگ جائیں۔

اللہ کے نزدیک یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے کہ حق کی دعوت کی مخالفت کی جائے اور جو لوگ حق کی دعوت کے گرد جمع ہوئے ہیں ان کو اپنی دشمنی کی آگ میں جلانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے اکثر گناہوں میں یہ امکان رہتا ہے کہ وہ انسان کی غفلت یا کمزوری کی وجہ سے صادر ہوئے ہوں۔ مگر دعوت حق کی مخالفت تمام تر سرکشی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور سرکشی کسی آدمی کا وہ جرم ہے جس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرتا، الا یہ کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کرے اور سرکشی سے باز آجائے۔ دین کی دعوت جب بھی اپنی بے آمیز شکل میں اٹھتی ہے تو وہ ایک خدائی کام ہوتا ہے جو خدا کی خصوصی مدد پر شروع ہوتا ہے۔ ایسے کام کی مخالفت کرنا گویا خدا کے مقابلہ میں کھڑا ہونا ہے اور کون ہے جو خدا کے مقابلہ میں کھڑا ہو کر کامیاب ہو۔

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا گناہوں کو بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بہک کر بہت دور جا پڑا۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں دیویوں کو اور وہ پکارتے ہیں سرکش شیطان کو۔ اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ اور شیطان نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں ان کو بہکاؤں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ کو بدلیں گے اور جو شخص اللہ کے سوا شیطان کو اپنا دوست بنائے تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدہ دیتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے تمام وعدے فریب کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا ۱۱۶ — ۱۲۲

جو شخص ایک اللہ کو پکڑ لے اس کے عمل کی جڑیں خدا میں قائم ہو جاتی ہیں۔ اس سے وقتی لغزش بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد جب وہ پلٹتا ہے تو دوبارہ وہ حقیقی سرے کو پا لیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے سوا کہیں اور اٹکا ہوا ہو وہ گویا اس زمین سے محروم ہے جو اس کائنات میں واحد حقیقی زمین ہے۔ بظاہر اگر وہ کوئی اچھا عمل کرے تب بھی وہ خدا کے سرچشمہ سے نکلا ہوا عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک اوپری عمل ہوتا ہے جو معمولی جھٹکا لگتے ہی باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کے ساتھ کیا ہوا عمل آخرت میں اپنا نتیجہ دکھاتا ہے اور شرک کے ساتھ کیا ہوا عمل اسی دنیا میں برباد ہو کر رہ جاتا ہے، وہ آخرت تک نہیں پہنچتا۔

اس دنیا میں آدمی کا اصلی مقابلہ شیطان سے ہے۔ تاہم شیطان کے پاس کوئی طاقت نہیں۔ وہ اتنا ہی کر سکتا ہے کہ آدمی کو لفظی وعدوں کا فریب دے اور فرضی تمناؤں میں الجھائے۔ اور اس طرح لوگوں کو حق سے دور کر دے۔ شیطان کی گمراہی کی دو خاص صورتیں ہیں۔ ایک توہم پرستی۔ اور دوسرے خدائی تخلیق میں فرق کرنا۔ توہم پرستی یہ ہے کہ کسی چیز سے ایسے نتیجہ کی امید کر لی جائے جس نتیجہ کا کوئی تعلق اس سے نہ ہو۔ مثلاً خود ساختہ مفروضوں کی بنیاد پر اللہ کے سوا کسی چیز کو معاملات میں مؤثر مان لینا، حالاں کہ اس دنیا میں اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی طاقت نہیں۔ یا زندگی کو عملاً دنیا کے حصول میں لگا دینا اور آخرت کے بارے میں فرضی خوش خیالیوں کی بنا پر یہ امید قائم کر لینا کہ وہ اپنے آپ حاصل ہو جائے گی۔ شیطان کے بہکاوے کا دوسرا طریقہ اللہ کے بنائے ہوئے نقشہ کو بدلنا ہے۔ خدا نے انسان کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی تمام توجہ کو اللہ کی طرف لگائے، اس فطرت کو بدلنا یہ ہے کہ انسان کی توجہات کو دوسری دوسری چیزوں کی طرف مائل کر دیا جائے۔ یا کسی مقصد کے حصول کا جو طریقہ فطری طور پر مقرر کیا گیا ہے اس کو بدل کر کسی خود ساختہ طریقہ سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ کائنات کے خدائی نقشہ کی مطابقت میں انسان کو جس طرح رہنا چاہئے اس نقشہ کو تلپٹ کر دیا جائے۔

نہ تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو کوئی بھی برا کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ اور وہ نہ پائے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اس سے بہتر کس کا دین ہے جو اپنا چہرہ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ نیکی کرنے والا ہو۔ اور وہ چلے دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۱۲۶ — ۱۲۳

خدا اور آخرت کو ماننے والے لوگ جب دنیا پرستی میں غرق ہوتے ہیں تو وہ خدا اور آخرت کا انکار کر کے ایسا نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ کرتے ہیں کہ آخرت کے معاملہ کو رسمی عقیدہ کے خانہ میں ڈال دیتے ہیں اور عملاً اپنی تمام محنتیں اور سرگرمیاں دنیا کو حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ دنیا کی عزت اور دنیا کے فائدہ کو سمیٹنے کے معاملہ میں وہ پوری طرح سنجیدہ ہوتے ہیں۔ ان کو پانے کے لئے ان کے نزدیک مکمل جدوجہد ضروری ہوتی ہے۔ مگر آخرت کی کامیابی کو پانے کے لئے صرف خوش فہمیاں ان کو کافی نظر آنے لگتی ہیں۔ کسی بزرگ کی سفارش، کسی بڑے گروہ سے وابستگی، کچھ پاک کلمات کا ورد، بس اس قسم کے سستے اعمال سے یہ امید قائم کر لی جاتی ہے کہ وہ آدمی کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بچا لیں گے اور اس کو جنت کے پُر بہار باغوں میں داخل کریں گے۔ مگر اس قسم کی خوش خیالیاں خواہ ان کو کتنے ہی خوب صورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہو، وہ کسی کے کچھ کام آنے والے نہیں۔ اللہ کا نظام حد درجہ محکم نظام ہے۔ اس کے یہاں تمام فیصلے حقیقتوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں نہ کہ محض آرزوؤں کی بنیاد پر۔ اللہ کی عدالت میں ہر آدمی کا اپنا عمل دیکھا جائے گا اور جیسا جس کا عمل ہوگا ٹھیک اسی کے مطابق اس کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ کے قانون عدل کے سوا کوئی بھی دوسری چیز نہیں جو اللہ کے یہاں فیصلہ کی بنیاد بننے والی ہو۔

اللہ کا وہ بندہ کون ہے جس پر اللہ اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔ اس کی ایک تاریخی مثال ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ وہ بندے ہیں جو دنیا میں اللہ کے مومن بن کر رہیں۔ جو اپنے آپ کو ہمہ تن اپنے رب کی طرف یکسو کر لیں۔ جو اپنی وفاداریاں پوری طرح اللہ کے لئے خاص کر دیں۔ انھوں نے دنیا میں اپنے معاملات کو اس طرح قائم کیا ہو کہ وہ ظلم اور سرکشی سے دور رہنے والے اور عدل اور تواضع کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ چہرہ آدمی کے پورے وجود کا نمائندہ ہے۔ چہرہ خدا کی طرف پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے پورے وجود کو خدا کی طرف پھیر دے۔

اللہ تمام کائنات کا مالک ہے۔ اس کے پاس ہر قسم کی طاقتیں ہیں۔ مگر موجودہ دنیا میں اللہ نے اپنے کو غیب کے پردہ میں چھپا دیا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اسی لئے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی خدا کو نہیں دیکھتا، وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں آزاد ہوں کہ جو چاہوں کروں۔ اگر آدمی یہ جان لے کہ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں تو آدمی پر جو کچھ قیامت کے دن بیتنے والا ہے وہ اس پر آج ہی بیت جائے۔

اور لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمھیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہے اور وہ آیات بھی جو تمھیں کتاب میں ان یتیم عورتوں کے بارے میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لئے لکھا گیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ۔ اور جو آیات کمزور بچوں کے بارے میں ہیں اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو اور جو بھلائی تم کروگے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔ اور حرص انسان کی طبیعت میں بسی ہوئی ہے۔ اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور خداترسی سے کام لو تو جو کچھ تم کروگے اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور تم ہرگز عورتوں کو برابر نہیں رکھ سکتے اگرچہ تم ایسا کرنا چاہو۔ پس بالکل ایک ہی طرف نہ جھک پڑو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرلو اور ڈرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر دونوں جدا ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے احتیاج کردے گا اور اللہ بڑی وسعت والا حکمت والا ہے ۱۲۷ - ۱۳۰

پوچھنے والوں نے بعض معاشرتی امور کی بابت شرعی حکم دریافت کیا تھا۔ اس سلسلے میں حکم بتاتے ہوئے خیر و انصاف اور صلاح و تقویٰ پر زور دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی قانون اسی وقت اپنے مقصد کو پورا کرتا ہے جب کہ اس کو عمل میں لانے والا آدمی اللہ سے ڈرتا ہو اور فی الواقع انصاف کا طالب ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو قانون کی ظاہری تعمیل کے باوجود حقیقی بہتری پیدا نہیں ہوسکتی۔ معاشرہ کی واقعی اصلاح صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ برائی کرنے والا برائی سے اس لئے ڈرے کہ اصل معاملہ خدا سے ہے اور برائی کرنے کے بعد میں کسی طرح اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح بھلائی کرنے والا یہ سوچے کہ لوگوں کی طرف سے خواہ مجھے اس کا کوئی صلہ نہ ملے مگر اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور وہ ضرور مجھ کو اس کا انعام دے گا۔ جہنم کا اندیشہ آدمی کو ظلم سے روکتا ہے اور جنت کی امید اس نقصان کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کردیتی ہے جو حق پرستانہ زندگی کے نتیجہ میں لازماً سامنے آتا ہے۔

میاں بیوی یا دو آدمیوں میں اختلاف کی وجہ ہمیشہ حرص ہوتی ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کا لحاظ کئے بغیر صرف اپنے مطالبات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ یہ ذہنیت ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے غیر مطمئن بنادیتی ہے۔ صحیح مزاج یہ ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی معذوری کو سمجھیں اور ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہوئے کسی باہمی تصفیہ کو پہنچنے کی کوشش کریں۔ اللہ کا مطالبہ جس طرح یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی رعایت کرے، اسی طرح اللہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ آخری حد تک رعایت فرماتا ہے۔ اللہ کے یہاں آدمی کی پکڑ اس کی فطری کمزوریوں پر نہیں ہے بلکہ اس کی اس سرکشی پر ہے جو وہ جان بوجھ کر کرتا ہے۔ اگر آدمی اللہ سے ڈرے اور دل میں اصلاح کا جذبہ رکھے تو وہ نیت کی درستگی کے ساتھ جو کچھ کرے گا اس کے لئے وہ اللہ کے یہاں قابل معافی قرار پائے گا۔ اسی کے ساتھ آدمی کو کبھی اس غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے کہ وہ دوسرے کا کام بنانے والا ہے۔ ہر ایک کا کام بنانے والا صرف اللہ ہے، خواہ وہ بظاہر ایک طرح کے حالات میں ہو یا دوسری طرح کے حالات میں۔

اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور ہم نے حکم دیا ہے ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو۔ اور اگر تم نے نہ مانا تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں والا ہے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بھروسہ کے لئے اللہ کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اے لوگو، اور دوسروں کو لے آئے۔ اور اللہ اس پر قادر ہے۔ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ کے پاس دنیا کا ثواب بھی ہے اور آخرت کا ثواب بھی۔ اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۱۳۱ - ۱۳۴

دنیا میں آدمی کو جو صالح زندگی اختیار کرنا ہے وہ اس کو اسی وقت اختیار کر سکتا ہے جب کہ وہ اندر سے اللہ والا بن گیا ہو۔ اللہ کو مالک کائنات کی حیثیت سے پالینا، صرف اللہ سے ڈرنا اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا، آخرت کو اصل سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جانا، یہی وہ چیزیں ہیں جو کسی آدمی کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ دنیا میں وہ صالح زندگی گزارے جو اللہ کو مطلوب ہے اور جو اس کو آخرت کی دنیا میں کامیاب کرنے والی ہے۔ اسی لئے نبیوں کی تعلیمات میں ہمیشہ اسی پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا رہا ہے۔

موجودہ دنیا آزمائش کے لئے ہے۔ یہاں ہر آدمی کو جانچ کر دیکھا جارہا ہے کہ کون اچھا ہے اور کون برا اس مقصد کے لئے موجودہ دنیا کو اس ڈھنگ پر بنایا گیا ہے کہ یہاں آدمی کو ہر قسم کے عمل کی آزادی ہو۔ حتیٰ کہ اس کو یہ موقع بھی حاصل ہو کہ وہ اپنے سیاہ کو سفید کہہ سکے اور اپنی بے عملی کو عمل کا نام دے۔ یہاں ایک آدمی کے لئے ممکن ہے کہ وہ برائیوں میں مبتلا ہو مگر اس کو بیان کرنے کے لئے وہ بہترین الفاظ پالے۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ آدمی ایک کھلی ہوئی سچائی کا انکار کر دے اور اپنے انکار کی ایک خوبصورت توجیہہ تلاش کرے۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ آدمی جاہ طلبی، شہرت پسندی، نفع اندوزی اور مصلحت پر اپنی زندگی کی تعمیر کرے اور اس کے باوجود وہ لوگوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ خالص حق کے لئے کام کر رہا ہے۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ ایک شخص خدا کے دین کو اپنے دنیوی اور مادی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنائے اور پھر بھی وہ دنیا میں پھلتا اور پھولتا رہے۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ آدمی حلال کو چھوڑ کر حرام ذرائع اختیار کرے، انصاف کے بجائے وہ ظلم کے راستہ پر چلے اور اس کے باوجود اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔ ان مختلف مواقع پر آدمی چاہے تو اپنے کو حق و صداقت کا پابند بنالے اور چاہے تو سرکشی اور بے انصافی کی طرف چل پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے تمام احکام میں اہمیت کی چیز یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرتا ہے یا نہیں۔ یا صرف اللہ کا ڈر ہے جو اس کو ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ اگر اللہ کا ڈر نہ ہو تو ایک ایسی دنیا میں کسی کو باطل سے روکنے والی کیا چیز ہو سکتی ہے جہاں باطل کو بھی حق کے پیرایہ میں بیان کیا جاسکتا ہو اور جہاں بے انصافی کی بنیاد پر بھی بڑی بڑی ترقیاں حاصل کی جاسکتی ہوں۔ جہاں ہر ظالم کو اپنے ظلم کو چھپانے کے لئے خوبصورت الفاظ مل جاتے ہوں۔

اے ایمان والو، انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، چاہے وہ تمھارے یا تمھارے ماں باپ یا عزیزوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی مال دار ہے یا محتاج تو اللہ تم سے زیادہ دونوں کا خیرخواہ ہے۔ پس تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کجی کروگے یا پہلوتہی کروگے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ۱۳۵

اجتماعی زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے ایسا معاملہ آتا ہے جس میں ایک راستہ اپنے مفاد اور خواہش کا ہوتا ہے اور دوسرا حق اور انصاف کا۔ جو لوگ اللہ کی طرف سے غافل ہوتے ہیں، جن کو یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہر وقت ان کو دیکھ رہا ہے وہ ایسے مواقع پر اپنی خواہش کے رخ پر چل پڑتے ہیں۔ وہ اس کو کامیابی سمجھتے ہیں کہ حق کی پروا نہ کریں اور معاملہ کو اپنے مفاد اور اپنی مصلحت کے مطابق طے کریں۔ مگر جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، جو اللہ کو اپنا نگراں بنائے ہوئے ہیں وہ تمام تر انصاف کے پہلو کو دیکھتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو حق وانصاف کا تقاضا ہو۔ ان کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ ان کو موت آئے تو اس حال میں آئے کہ انھوں نے کسی کے ساتھ بے انصافی نہ کی ہو، وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر قسط اور عدل پر قائم کئے ہوئے ہوں۔

ان کی انصاف پسندی کا یہ جذبہ اتنا بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ ان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف سے ہٹا ہوا کوئی رویہ دیکھیں اور اس کو برداشت کرلیں۔ جب بھی ایسا کوئی معاملہ سامنے آتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہو تو وہ ایسے موقع پر حق کا اعلان کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اگر انصاف کا اعلان کرنے میں ان کے قریبی تعلق والوں پر زد پڑتی ہو یا ان کی اپنی مصلحتیں مجروح ہوتی ہوں تب بھی وہ وہی کہتے ہیں جو انصاف کی رو سے انھیں کہنا چاہئے۔ ان کی زبان کھلتی ہے تو اللہ کے لئے کھلتی ہے نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔ اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ صاحب معاملہ طاقت ور ہو تو اس کو اس کا حق دیا جائے اور اگر صاحب معاملہ کمزور ہو تو اس کا حق اس کو نہ دیا جائے۔ مومن وہ ہے جو ہر آدمی کے ساتھ انصاف کرے خواہ وہ زور آور ہو یا کم زور۔

جب کوئی آدمی ناانصافی کا ساتھ دے تو وہ یہ کہہ کر ایسا نہیں کرتا کہ میں ناانصافی کرنے والے کا ساتھی ہوں۔ بلکہ وہ اپنی ناانصافی کو انصاف کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے موقع پر ہر آدمی دو میں سے کوئی ایک رویہ اختیار کرتا ہے۔ یا تو وہ یہ کرتا ہے کہ بات کو بدل دیتا ہے۔ وہ معاملہ کی نوعیت کو ایسے الفاظ میں بیان کرتا ہے جس سے ظاہر ہو کہ یہ ناانصافی کا معاملہ نہیں بلکہ عین انصاف کا معاملہ ہے، جس کے ساتھ زیادتی کی جارہی ہے وہ اسی کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی خاموشی اختیار کرلے۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہاں ناانصافی کی جارہی ہے وہ کترا کر نکل جائے اور جو کہنے کی بات ہے اس کو زبان پر نہ لائے۔ اس قسم کا طرز عمل ثابت کرتا ہے کہ آدمی اپنے اوپر اللہ کو نگراں نہیں سمجھتا۔

کیسے اچھے ساتھی

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا۔ ذلك الفضل من الله وكفىٰ بالله عليما نساء ۷۰

اور جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کیسے اچھے ساتھی ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کا علم کافی ہے۔

اللہ کے انعام یافتہ بندے کون ہیں۔ یہ وہ نیک روحیں ہیں جن کو دنیا میں اطاعت خداوندی کے تحت زندگی گزارنے کی توفیق ملی۔ وہ اس دین پر قائم رہے جس پر تمام زمین و آسمان قائم ہیں۔ جنھوں نے اپنے کو خدا کے اس تخلیقی منصوبہ میں شامل کر دیا جس میں کائنات کی تمام چیزیں اپنے کو شامل کئے ہوئے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے "کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالاں کہ اسی کی فرماں بردار ہیں زمین و آسمان کی تمام چیزیں (آل عمران) گویا انسان سے جس دین کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ کوئی نیا یا کائنات سے علیحدہ دین نہیں ہے۔ بلکہ وہی دین ہے جس پر ساری کائنات قائم ہے۔

کائنات کا دین کیا ہے۔ کائنات کا دین اطاعت الٰہی ہے۔ یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر اپنی سرگرمیاں جاری کرنا۔ درخت زمین کے اوپر کھڑا ہوتا ہے مگر وہ اپنا سایہ زمین پر بچھا دیتا ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں مگر وہ کسی سے ٹکراؤ نہیں کرتیں۔ سورج اپنی روشنی بکھیرتا ہے مگر وہ چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ بادل بارش برساتے ہیں مگر وہ اپنے اور غیر میں تمیز نہیں کرتے۔ چڑیاں اور چیونٹیاں اپنے اپنے رزق کی تلاش میں مصروف ہوتی ہیں مگر وہ ایک دوسرے کا حصہ نہیں چھینتیں۔

یہ کائنات کا دین ہے اور اسی دین پر انسان کو بھی رہنا ہے۔ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو دنیا میں درخت کے سایہ کی طرح متواضع بن کر رہے۔ جو دوسروں کے درمیان اس طرح گزرے جیسے ہوا کے لطیف جھونکے لوگوں کے درمیان سے گزر جاتے ہیں۔ جن کا فیض اور جن کی مہربانیاں بارش کی طرح ہر ایک کے لئے عام ہوں۔ جو دریا کے پانی کی طرح دوسروں کے لئے سیرابی بن جائیں۔ جنھوں نے سورج کی روشنی کی طرح ہر ایک کو اجالے کا تحفہ دیا۔ جنھوں نے اپنی سرگرمیوں کے دوران اس بات کی احتیاط رکھی کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

انبیاء اس دین کی تعمیل میں کمال کے درجہ پر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد صدیقین کا درجہ ہے، پھر شہداء اور پھر صالحین کا۔ جنت انھیں پاک روحوں کا معاشرہ ہے۔ جنت وہ نفیس اور لذیذ مقام ہے جہاں آدمی کو اپنے پڑوسی سے پھولوں کی مانند خوشبو ملے گی اور چڑیوں کے چہچہے جیسے بول سننے کو ملیں گے۔ جہاں ایک کا دوسرے سے ملنا لطیف ہواؤں سے ملنے کی طرح ہوگا۔ کیسی عجیب ہوگی جنت اور کیسا عجیب ہوگا اس کا پڑوس۔

جب گفتگو بے نتیجہ ہو کر رہ جائے

دو آدمیوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے کہا: "بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ان کو صرف محسوس کر سکتے ہیں، ان کو الفاظ کی صورت میں متعین نہیں کر سکتے۔ مثلاً گڑ اور شکر کو لیجئے۔ چکھ کر ہر آدمی محسوس کر سکتا ہے کہ گڑ کا مزہ کیا ہے اور شکر کا مزہ کیا۔ لیکن اگر دونوں کے مزے کے فرق کو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو آپ ان کو بیان نہیں کر سکتے"۔ دوسرا آدمی فوراً بولا: "مجھے دونوں کا فرق معلوم ہے"۔ اس کے بعد اس نے دونوں کے طبی اور غذائی فرق پر تقریر شروع کر دی "شکر کی تاثیر ٹھنڈی ہے اور گڑ کی تاثیر گرم ہے . . . ."

ظاہر ہے کہ اس قسم کی معلومات کی ایک انسائیکلو پیڈیا بھی تیار ہو جائے تو وہ گڑ اور شکر کے مزہ کے فرق کو لفظوں میں متعین نہ کر سکے گی۔ مگر مذکورہ بزرگ نے مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی مسکراہٹ کا لحاظ کئے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی۔

کسی گفتگو کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کچھ باتیں پہلے سے جانتا ہو اور ان کو تسلیم کرتا ہو۔ اگر آپ کا مخاطب ایسا ہو کہ وہ نہ تو ضروری باتوں کو جانے اور نہ ان کو تسلیم کرے تو آپ اپنی گفتگو کو کسی حقیقی نتیجہ تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کبھی آدمی اپنے خیالات میں اتنا گم ہوتا ہے کہ دوسرے کی بات اس کے ذہن میں داخل نہیں ہوتی۔ اس کو سن کر وہ ایسے عجیب و غریب انداز میں اس کا جواب دیتا ہے جیسے اس نے کہنے والے کے اصل مدعا کو سمجھا ہی نہ ہو۔ ٹرین چل رہی تھی۔ ڈبہ کے ایک مسافر نے اپنا سگار سلگایا۔ سامنے بیٹھی ہوئی عورت نے اس کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا: "تمباکو کے دھوئیں سے میری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے"۔ مسافر نے اطمینان سے عورت کی بات سنی اور اس کے بعد گہرا کش لیتے ہوئے بولا: "محترمہ! ایسی حالت میں تو میں آپ کو یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ آپ تمباکو نوشی نہ کیا کریں"۔ خاتون کا مقصد یہ تھا کہ مسافر ڈبہ کے اندر تمباکو نوشی نہ کرے۔ مگر مسافر نے خود خاتون کو تمباکو نوشی نہ کرنے کی تلقین شروع کر دی۔ جب بھی آپ کسی کی بات کا جواب دے رہے ہوں تو سب سے پہلے آپ کو بے لاگ طور پر یہ جاننے کی کوشش کرنا چاہئے کہ کہنے والے نے کیا کہا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ اس کی بات کا صحیح جواب دے سکتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھے بغیر جو جواب دیا جائے وہ خود اپنے ذہن کی بات کا جواب ہوتا ہے نہ کہ مخاطب کی کہی ہوئی بات کا جواب۔

ایک صاحب نے کہا: "الرسالہ کی غلطی اسی سے واضح ہے کہ اس نے اپنا نام الرسالہ رکھا ہے"۔ ان کے نزدیک الرسالہ کا مطلب تھا "سب سے اچھا رسالہ"۔ اور ظاہر ہے کہ جو اپنے کو سب سے اچھا کہے وہ یقیناً سب سے زیادہ برا ہے۔ ان کو بتایا گیا کہ الرسالہ اردو "رسالہ" کے معنی میں نہیں ہے۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنی پیغام (The Message) کے ہیں۔ مگر وہ بدستور بحث کرتے رہے۔ وہ صرف اردو "رسالہ" سے آشنا تھے پھر عربی "الرسالہ" ان کے ذہن کا جزء کس طرح بنتا۔ عربی الرسالہ کو سمجھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنا وہ مشکل ترین کام ہے جہاں بڑے بڑے پہلوان بھی بے بس ثابت ہوتے ہیں۔

آخرت کے بغیر موجودہ زندگی بے معنی ہے

ڈاکٹر آر۔ سبرا منیم (آرنا کولم) بے حد ذہین تھے اور سنجیدہ بھی۔ وہ اپنی بھاری عینک کے ساتھ طالب علمی ہی کے زمانہ میں "پروفیسر" دکھائی دیتے تھے۔ ہائی اسکول سے لے کر ایم ایس سی تک وہ فرسٹ کلاس پاس ہوتے رہے۔ اس کے بعد ان کو ہارورڈ یونیورسٹی سے اسکالرشپ ملا اور انھوں نے انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کیا۔ ان کو صنعت میں اچھی جگہ مل سکتی تھی مگر انھوں نے بنگلور کے ایک کالج میں استاد بننا پسند کیا۔ اچانک وہ بیمار ہوئے اور آپریشن کے لئے بمبئی لے جائے گئے۔ آپریشن کے ایک ہفتہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر صرف ۳۸ سال تھی۔ ڈاکٹر سبرا منیم کے دوست مسٹر ڈی گنگا دھر نے ان کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا ہے۔ مسٹر گنگا دھر اپنے مضمون کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے ہیں :

Why do these things happen? I cannot find an answer

اس طرح کی باتیں کیوں ہوتی ہیں، مجھے اس کا جواب نہیں معلوم (ٹائمس آف انڈیا ۱۵ نومبر ۱۹۷۹)

اس طرح کے سوالات آدمی کے ذہن میں اس لئے آتے ہیں کہ وہ موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھتا ہے۔ حالاں کہ موت ایک اور زندگی کا آغاز ہے۔ آدمی اگر آج کی زندگی میں اچھا کام کرے تو اگلی دنیا میں جاکر وہ دوبارہ زیادہ بہتر طور پر رہنے لگتا ہے۔ اُس کے لئے موت موت نہیں بلکہ زندگی ہے۔ البتہ جو شخص حقیقت کے ساتھ اپنے کو مطابق نہ کرے اس کے لئے یہاں بھی بربادی ہے اور وہاں بھی۔

موجودہ دنیا کی محدودیت

گرسن ولوریا (Gerson Viloria) فلپائن کا ایک باشندہ ہے جس کی عمر ۴۳ سال ہے۔ وہ ایک ٹریژری میں کلرک تھا۔ اس نے لوگوں کی طرف سے فرضی دستخط کرکے بہت سے لوگوں کی رقم وصول کرلی۔ اس کا مقدمہ فلپائن کی ایک عدالت میں پیش ہوا۔ جج کا نام رومیو اسکاریل (Romeo M. Escareal) تھا۔ جج نے تفصیلی سماعت کے بعد گرسن ولوریا کو ۷۰ معاملات میں مجرم پایا۔ قانون کے مطابق اس طرح کے ایک جرم میں آدمی کو ۱۰ سال قید بامشقت کی سزا ملنی چاہئے۔ اس کے مطابق جج نے مجرم کو ۷۰۰ سال کی سزا دی۔ اسی کے ساتھ اس نے مجرم پر ۴۶۲۵ ڈالر جرمانہ عائد کیا۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں سزائے قید میں اضافہ ہوجائے گا (ٹائمس آف انڈیا ۹ نومبر ۱۹۷۹)

مجرم کی عمر ۴۳ سال ہوچکی ہے۔ اگر "قبل از وقت" اس کا خاتمہ نہ ہو بلکہ وہ اپنی عمر طبعی کو پورا کرکے مرے تب بھی اس کی موت کے وقت اس کی سزا کی مدت میں کم از کم سو سال باقی رہ جائیں گے —— انسان کا ضمیر کسی عمل کا جو بدلہ یا کسی جرم کی جو سزا چاہتا ہے وہ موجودہ محدود دنیا میں ناممکن ہے۔ جو ہونا چاہئے اور جو ہو رہا ہے کے درمیان یہ تضاد بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا نامکمل ہے۔ اس کی تکمیل کے لئے ایک اور دنیا ہونی چاہئے جہاں یہ تضاد ختم ہوجائے اور جو کچھ ہونا چاہئے وہی عملاً بھی ہونے لگے۔

اخلاص یہ ہے کہ آدمی حرام سے بچے

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنۃ قیل وما اخلاصھا قال ان تحجزہ عن محارم اللہ (ترغیب وترہیب)

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اخلاص کے ساتھ کہے گا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پوچھا گیا اس کا اخلاص کیا ہے۔ فرمایا: یہ کہ یہ کلمہ اس کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روک دے۔

اپنے کو تول لو اس سے پہلے کہ تمھیں تولا جائے

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا حساب آپ کر لو قبل اس کے کہ آخرت میں تمھارا حساب کیا جائے۔ اور اپنے آپ کو تول لو قبل اس کے کہ تم کو تولا جائے۔ اور سب سے بڑی پیشی کے لئے تیاری کر لو (حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوھا قبل ان توزنوا وتھیئوا للعرض الاکبر)

دین کو ذاتی وقار کا ذریعہ بنانا

عن ابی بن کعب قال تعلموا العلم واعملوا بہ ولا تتعلموہ لتتجملوا بہ فانہ یوشک ان طال بکم زمان ان یتجمل بالعلم کما یتجمل الرجل بالثوب (جلد دوم ۶)

ابی بن کعب نے کہا، علم کو سیکھو اور اس پر عمل کرو۔ علم کو اس لئے نہ سیکھو کہ اس سے اپنی زیبائش کرو۔ کیوں کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ علم سے زیبائش کا کام لیا جائے گا جس طرح آدمی کپڑے سے اپنی زیبائش کرتا ہے۔

شہرت پسندی سب سے بڑا فتنہ ہے

حضرت شداد بن اوس کی موت کا وقت آیا تو انھوں نے کہا: اخوف ما اخاف علی ھذہ الامۃ الریاء والشھوۃ الخفیۃ (دوم ۳) اس امت پر مجھ کو سب سے زیادہ جس چیز کا اندیشہ ہے وہ ریا اور شہوت خفی ہے۔

سفیان ثوری نے کہا: الشھوۃ الخفیۃ الذی یحب ان یحمد علی البر (شہوت خفی یہ ہے کہ نیکی پر تعریف سننا چاہے)

یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشھوۃ الخفیۃ فقال ھو الرجل یتعلم العلم یحب ان یجلس الیہ (ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ ۱۹۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ شہوت خفی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: آدمی دینی علم سیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے پاس لوگ بیٹھیں۔

وہاں عمل کرنا جہاں لوگ دیکھیں

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ من جب الحزن قالوا یا رسول اللہ وما جب الحزن، قال واد فی جہنم یتعوذ منہ جہنم کل یوم اربع مئۃ مرۃ۔ قیل یا رسول اللہ ومن یدخلھا قال: القراء المراؤن باعمالھم (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جب الحزن سے پناہ مانگو۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول جب الحزن کیا ہے۔ فرمایا وہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول اس میں کون داخل ہوگا۔ فرمایا علماء جو دکھاوے کے لئے عمل کرتے ہیں۔

نیک اور بد ہونے کی پہچان

حضرت عائشہ رضہ سے ایک شخص نے پوچھا: میں اپنے آپ کو نیک کب سمجھوں۔ انھوں نے جواب دیا: جب تجھ کو اپنے برے ہونے کا گمان ہوجائے۔ آدمی نے دوبارہ پوچھا: میں اپنے آپ کو برا کب سمجھوں۔ جواب دیا جب تو اپنے آپ کو نیک سمجھنے لگے۔

دین کے نام پر دنیا کمانا بے حسی پیدا کرتا ہے

حسن بصری نے کہا۔ عالم کی سزا اس کے دل کا مرجانا ہے۔ پوچھا گیا دل کا مرنا کیا ہے۔ فرمایا: آخرت کے عمل سے دنیا کا فائدہ چاہنا۔ (عقوبۃ العالم موت القلب۔ قیل لہ وما موت القلب۔ قال: طلب الدنیا بعمل الآخرۃ۔ جامع بیان العلم وفضلہ، جزء اول، صفحہ ۱۹۲)

موت کا دن آدمی کے جاگنے کا دن ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ جب مریں گے تو بیدار ہوں گے (الناس نیام اذا ماتوا انتبہوا) یعنی انسان دنیا میں اتنا مشغول ہے کہ وہ آخرت کے معاملہ میں غافل ہوگیا ہے۔ گویا کہ وہ دنیا میں جاگ رہا ہے اور آخرت میں سو رہا ہے۔ مگر جب موت اس کی آنکھ کا پردہ ہٹائے گی تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہی چیز اصل تھی جس کو اس نے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

دنیا کی طرف لگاؤ آدمی کو آخرت کے معاملہ میں کمزور کر دیتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ آئے گا جب تم سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح بے حقیقت ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا اے خدا کے رسول اس کا سبب کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا تمھارے اندر وھن پیدا ہو جائے گا۔ لوگوں نے دوبارہ پوچھا اے خدا کے رسول وھن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کا ڈر (حب الدنیا وکراھیۃ الموت)

آدمی اپنے کو جہنم کے کنارے کھڑا ہوا پائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔ وہاں آپ نے جو پہلا خطبہ دیا وہ یہ تھا: اے لوگو! اپنے لئے آگے بھیجو۔ یقیناً تم اس کو جان لوگے۔ خدا کی قسم ضرور ایسا ہوگا کہ تم میں سے ہر شخص پر بے ہوشی طاری ہوگی بکریوں والا بکریاں چھوڑ کر اس طرح چلا جائے گا کہ ان کا کوئی گلہ بان نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے کہے گا اور اس کے اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ بیچ میں کوئی رکاوٹ حائل ہوگی۔ اس کا رب اس سے کہے گا کیا تمھارے پاس میرا پیغمبر نہیں آیا۔ پھر تم کو اس نے میرا پیغام پہنچایا۔ اور میں نے تم کو مال دیا اور تمھارے اوپر فضل کیا۔ پھر تو نے اپنے لئے آگے کیا بھیجا۔ اس وقت وہ آدمی اپنے دائیں اور بائیں دیکھے گا تو وہاں کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اس کو وہاں جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ پس جو اپنے چہرے کو آگ سے بچا سکے تو وہ ضرور بچائے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے ہو۔ اور جس کے پاس وہ بھی نہ ہو تو وہ میٹھا بول بولے۔ کیوں کہ اس کا بھی بدلہ ملے گا۔ اور نیکی کا بدلہ دس گنا سے شروع ہوتا ہے اور سات سو گنا تک ملتا ہے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (سیرت النبی لابن ہشام، جلد ۲)

کوئی اندھیرے کی طرف جارہا ہے کوئی اجالے کی طرف

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیٰئھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون (بقرہ ۲۵۷)

اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو وہ اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے۔ اور جو منکر ہوئے ان کے دوست شیطان ہیں، وہ ان کو اجالے سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں ایسے لوگ آگ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اندھیرے سے نکل کر اجالے میں جانا یہ ہے کہ آدمی کے سامنے باطل کا راستہ کھلا ہوا ہو، مگر وہ اس کو چھوڑ کر حق کے راستہ کی طرف جائے۔ اور اجالے سے نکل کر اندھیرے میں جانا یہ ہے کہ آدمی کے سامنے حق کا راستہ کھلا ہوا ہے مگر وہ اس کو چھوڑ کر باطل کے رخ پر چل پڑتا ہے۔ ایک شخص اسٹیشنری کی دکان کرتا ہے۔ محلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو ایک قلم چاہئے۔ اس نے دیکھ کر دس روپیہ کا ایک قلم پسند کیا۔ اس نے کہا کہ یہ مجھے دے دو، میں کل آؤں گا اور اس کی قیمت تم کو ادا کر دوں گا۔ دکان دار نے قلم دے دیا۔ کل آئی اور گزر گئی۔ مگر آدمی نہ دکان پر آیا اور نہ پیسہ ادا کیا۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ آدمی دکان دار کو ملا۔ دکان دار نے پیسہ کا تقاضا کیا۔ اب اس آدمی کے لئے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ کہتا کہ "معاف کیجئے، مجھ سے بھول ہو گئی۔ میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ میں ابھی آپ کو پیسہ دیتا ہوں" اس کے بعد وہ دکان دار کو دس روپے ادا کر دے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ دکان دار کا تقاضا سنتے ہی بگڑ گیا۔ اس نے کہا "آپ دس روپے کے لئے مجھ کو بے عزت کر رہے ہیں۔ یہ کوئی مانگنے کا طریقہ ہے۔ آپ کو شرم نہیں آتی۔ کسی شریف آدمی سے کہیں سر بازار پیسہ مانگا جاتا ہے" وہ اس طرح لڑ جھگڑ کر چلا گیا اور پیسہ نہیں دیا۔ ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت تاریکی سے روشنی کی طرف جانے کی صورت ہے اور دوسری صورت روشنی سے تاریکی کی طرف جانے کی۔ جس آدمی کا ساتھی خدا ہو اس کا ذہن خدا کی توفیق سے حق کو ماننے اور امانت کو ادا کرنے کے رخ پر چلتا ہے۔ وہ انکار کے بجائے اعتراف کو اپنا شیوہ بناتا ہے۔ اس کے برعکس جس کا ساتھی شیطان ہو وہ شیطان کی ترغیب سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کا ذہن حق کو جھٹلانے اور امانت کو ادا نہ کرنے کی طرف چلنے لگتا ہے۔ وہ اعتراف کے بجائے انکار کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ انصاف کے بجائے ظلم کے راستہ پر دوڑ پڑتا ہے۔

یہی صورت ہر معاملہ میں پیش آتی ہے، جب بھی کوئی معاملہ سامنے پیش آئے، خواہ وہ ایک دینی پیغام کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا ہو یا لین دین کے ایک معاملہ میں حق کو ادا کرنے یا حق کو ادا نہ کرنے کا سوال ہو، ہر معاملہ میں آدمی کے سامنے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک اجالے کا اور دوسرا اندھیرے کا۔ اگر آدمی کا ساتھی خدا ہو تو اس کے ذہن کی پڑی اعتراف اور تسلیم اور ادائگی حق کے رخ پر چلتی ہے۔ اور اگر اس کا ساتھی شیطان ہو تو وہ اس کے خیال کو

اس طرح موڑتا ہے کہ اس کا ذہن برعکس پٹری پر چل پڑتا ہے۔ وہ ماننے کے بجائے انکار کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ تواضع کے بجائے گھمنڈ کے رخ پر چلنے لگتا ہے۔ ایک شخص ربانی نفسیات کے تحت عمل کرتا ہے اور دوسرا شیطانی نفسیات کے تحت۔

جس شخص کو اندھیرے کے بجائے اجالے کی طرف چلنے کی توفیق ملتی ہے وہ بولنے سے زیادہ چپ دکھائی دیتا ہے، کیوں کہ وہ اپنا احتساب کرنے لگتا ہے۔ وہ حق کو ٹھکرانے کے بجائے حق کو مان لیتا ہے۔ کیوں کہ وہ گھمنڈ کی نفسیات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ معاملات میں بے انصافی کے بجائے انصاف پر چلتا ہے، کیوں کہ اس کو ڈر ہوتا ہے کہ وہ آخرت کی عدالت میں پکڑا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ اجالے کے بجائے اندھیرے کی طرف چل پڑتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ وہ بے معنی بحثیں چھیڑتے ہیں کیونکہ انھیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ ان کو ہر بولے ہوئے لفظ کا حساب دینا ہے۔ وہ اپنی غلطی کو ماننے کے بجائے دوسروں کو الزام دیتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے کئے کو رد کرنے والا کوئی نہیں۔ کسی کی عزت پر حملہ یا کسی کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کا منصوبہ بنانا ان کے لئے بہت آسان ہوتا ہے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ میں جو چاہوں کروں، میرا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

جب آدمی دنیا کو نظر انداز کرکے آخرت کی طرف بڑھتا ہے تو وہ اندھیرے سے اجالے کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی آخرت سے بے پروا ہوکر دنیا کو اپناتا ہے تو وہ اجالے سے اندھیرے کی طرف جاتا ہے۔ یہ عمل آدمی کی زندگی میں ہر روز جاری رہتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے وقت اور پیسے کو ان چیزوں میں نہیں لگاتا جن کا فائدہ آئندہ زندگی میں ملنے والا ہو، بلکہ وہ اپنے وقت اور پیسہ کو ان چیزوں میں لگاتا ہے جن کا فائدہ اس کو آج کی دنیا میں مل جائے۔ جب ایک شخص خاموش دینی خدمت سے بے رغبت ہوتا ہے اور ان کاموں کی طرف دوڑتا ہے جن میں شہرت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہو۔ جب ایک شخص ان چیزوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے جو دنیا کی رونقوں سے تعلق رکھتی ہیں، وہ چیزیں اس کی روح کی غذا نہیں بنتیں جن کو آخرت میں اللہ نے اپنے وفادار بندوں کے لئے جمع کر رکھا ہے تو ایسی تمام صورتوں میں آدمی اجالے کو چھوڑ کر اندھیرے کی طرف گیا۔

اس کے برعکس معاملہ اس شخص کا ہے جس کے پاس اپنے وقت اور اپنے پیسہ کا مصرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کو اگلی زندگی کی بہتری میں لگائے، وہ نظر آنے والے فائدوں کے مقابلہ میں غیب میں چھپے ہوئے فائدوں پر اپنی جدوجہد کی بنیاد رکھتا ہے، جس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی شہرتوں اور عزتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ ان خاموش کاموں میں لگا رہتا ہے جن کو دنیا کے لوگ نہیں دیکھتے۔ البتہ خدا اور اس کے فرشتے ان کو دیکھتے ہیں۔ جس کی روح خدا کی حمد اور آخرت کی یاد میں پرورش پاتی ہے نہ کہ دنیوی اہمیت والی چیزوں پر۔ ایسا شخص وہ شخص ہے جس کے سامنے اندھیرے کی راہیں کھلی ہوئی تھیں مگر وہ ان کو چھوڑ کر اجالے کی طرف چلا گیا۔ اندھیرے کی طرف سفر کرنے والوں کی منزل دوزخ ہے اور اجالے کی طرف سفر کرنے والوں کی منزل جنت۔

امتحان غیر معمولی حالات میں

قرآن میں کہا گیا ہے: کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ جانچے نہ جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جو پہلے تھے۔ پس ضرور ہے کہ اللہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں (عنکبوت) اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا مومن ہونا یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے کو مومن کہے یا اپنے کو مومن سمجھے۔ مومن حقیقۃً وہ ہے جس کے مومن ہونے کی تصدیق خدا کے یہاں ہو جائے۔ کسی کے ایمان کو اگر خدا جھوٹا ایمان کہہ دے تو اس کے ایمان کی کوئی قیمت نہیں خواہ دنیا میں وہ مومن اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہو۔

کسی کے ایمان کے بارے میں خدا کا فیصلہ معمول کے حالات میں نہیں ہوتا بلکہ غیر معمولی حالات میں ہوتا ہے جس طرح دنیا کی زندگی میں کسی ساتھی یا رشتہ دار کے تعلق کا صحیح پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ کسی قسم کے غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں۔ عام حالات میں کسی ساتھی یا رشتہ دار کی جانچ نہیں ہوتی۔ یہی معاملہ آخرت کا ہے۔ آخرت کی دنیا میں جن لوگوں کو اس قابل سمجھا جائے گا کہ ان کو اللہ کا پسندیدہ بندہ قرار دیا جائے اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں وہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے غیر معمولی حالات میں اپنی خدا پرستی اور تقویٰ کا ثبوت دیا ہوگا۔ یہ غیر معمولی حالات کیا ہیں، اس سلسلہ میں یہاں چند صورتیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ایک صورت وہ ہے جو داعی حق کے اعتراف کے سلسلے میں پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی حق کی دعوت اٹھتی ہے، پردہ داری کی سنت کے تحت اٹھتی ہے۔ یعنی حق کی آواز بلند کرنے کے لئے اللہ ایک ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جو دیکھنے میں لوگوں کو محض ایک "آدمی" معلوم ہوتا ہو۔ خدا کا داعی ہمیشہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کی زندگی میں دو چیزیں اپنی انتہائی صورت میں جمع ہو جاتی ہیں۔ دلائل کا زور اس کے یہاں کامل صورت میں موجود ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ مادی زور کے اعتبار سے اس کو بالکل ناقابل لحاظ بنا دیا جاتا ہے۔ اس طرح مدعو گروہ کو اس امتحان میں ڈالا جاتا ہے کہ اہمیت کے نہ ہوتے ہوئے بھی وہ دلائل کے وزن کو پا سکے۔ وہ داعی کی "ظاہری حیثیت" سے گزر کر اس کو اس کی "چھپی ہوئی حیثیت" میں دیکھے۔ یہ ایک غیر معمولی صورت حال ہوتی ہے اور جو اس غیر معمولی صورت حال میں حق کو پہچان لے وہی خدا کے یہاں ماننے والا اور تسلیم کرنے والا قرار پائے گا۔ ایک طرف وہ پکارنے والے ہیں جن کے گرد و پیش دنیا کی رونقیں جمع ہوتی ہیں۔ دوسری طرف وہ خدا کا بندہ ہے جو ظاہری رونقوں سے خالی ہو کر خالص حق کے لئے آواز دیتا ہے۔ جو لوگ پہلی قسم کی آوازوں پر دوڑیں وہ گویا ظاہری رونقوں پر دوڑے۔ اور جنھوں نے دوسری آواز کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا وہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی پکار پر لبیک کہا۔

۲۔ دنیوی تعلقات میں ہم کو دو طرح کے آدمیوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایک وہ شخص جس سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ شخص جس سے کسی نہ کسی سبب سے ہم کو شکایت ہو جاتی ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ لوگوں

کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہم انصاف اور خیر خواہی کا طریقہ اختیار کریں، بے انصافی اور بدخواہی کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ مگر اس معاملہ میں اللہ ہم کو جہاں جانچ رہا ہے وہ حقیقۃً وہ لوگ نہیں ہیں جن سے ہم کو شکایت کا موقع پیش نہیں آیا۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف کسی وجہ سے ہمارے اندر شکایت اور تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ جب ہم شکایت اور ان بن کے باوجود کسی کے ساتھ معاملہ کرنے میں انصاف سے نہ ہٹیں اس وقت ہم اللہ کے یہاں انصاف کرنے والے قرار پاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو آدمی ان بن پیدا ہونے والے شخص کے ساتھ انصاف نہ کرے وہ اسی مقام پر ناکام ہو گیا جہاں خدا اس کی خدا پرستی کا امتحان لے رہا تھا۔

اسی طرح دنیا کی زندگی میں ہمیں دو طرح کے لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایک وہ جو کمزور اور ناقابلِ ذکر ہوں، اور دوسرے وہ جو طاقت ور ہوں یا کسی وجہ سے وہ قابل ذکر بن جائیں۔ پہلی قسم کا ایک آدمی جب ہمارے سامنے آتا ہے اور ہم سے مدد چاہتا ہے تو اس کے پاس اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کے لئے کوئی اضافی کشش نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس کی مدد نہ کریں تو ہم کو نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور نہ بدنامی کا۔ اس کے برعکس طاقت ور کا ساتھ دینے میں بہت سے پہلوؤں سے امید ہوتی ہے کہ اس کا ساتھ بالآخر خود ہمارے لئے مفید بنے گا۔ اسی طرح مثلاً کوئی قومی مصیبت کا معاملہ پیش آجائے تو وہاں یہ کشش موجود ہوتی ہے کہ اس میں شرکت کرنے سے ہماری عزت وشہرت میں اضافہ ہوگا، ہماری قیادت زیادہ مستحکم ہو جائے گی۔ مگر خدا ہماری انسانیت یا مسلم دوستی کو جہاں جانچ رہا ہے وہ حقیقۃً وہ مواقع نہیں ہیں جہاں طاقت اور عزت کی ترغیبات موجود موجود ہوتی ہیں۔ بلکہ خدا کے جانچنے کے مواقع وہ ہیں جہاں ایک کمزور اور ناقابل لحاظ آدمی آپ کے سامنے کھڑا ہو اور اس کی مدد کرنے کے لئے اللہ کی رضا کے سوا کوئی اور محرک موجود نہ ہو۔ اگر آپ طاقت اور شہرت کے مواقع پر تعاون کرنے میں پرجوش ہوں اور ایک کمزور اور معمولی آدمی کا ساتھ دینے میں آپ کو دلچسپی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کے امتحان میں پورے نہیں اترے۔

۴۔ اللہ کے لئے عمل کرنے کی ایک صورت وہ ہوتی ہے جب کہ آدمی اپنی زندگی میں کوئی خلل پیدا کئے بغیر دین دار بنا ہوا ہو۔ دوسری صورت وہ ہے جب کہ اپنی بنی بنائی زندگی کو اجاڑ کر دین دار بنا ہو اور جان ومال کو قربان کرکے اللہ کی طرف بڑھنا پڑے۔ اللہ کے مقبول بندوں میں شامل ہونے کے لئے پہلی قسم کی دین داری کافی نہیں۔ اللہ کے یہاں صرف اس کا ایمان واسلام مقبول ہوتا ہے جو فائدوں اور مصلحتوں کے گھروندے کو توڑ کر اللہ والا بنے۔ اللہ کا دین جب اس سے اس کے جان اور اس کے مال کا تقاضا کرے تو وہ جان ومال کو دے کر اللہ کی طرف بڑھے۔ وہ کسی تحفظ کے بغیر اللہ کے دین کو اپنی زندگی کا دین بنا لے۔ اس کے برعکس جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ بغیر قربانی والے دین کا اہتمام کرے اور قربانی والے دین سے اپنے کو بچا کر رکھے تو ایسے شخص کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ قربانی والے دین سے اپنے کو دور رکھنا گویا اپنے آپ کو اس امتحان ہال میں داخل نہ کرنا ہے جہاں لوگوں کی لیاقتوں کو جانچا جا رہا ہے اور جہاں کی جانچ کے مطابق ہی کسی کے مستقبل کا فیصلہ کیا جانے والا ہے۔

بات کو موقع و محل میں رکھ کر دیکھئے

بنی اسرائیل (یہود) کے درمیان قدیم انبیاء کی بابت بہت سے قصے مشہور تھے۔ ان میں صحیح قصے بھی تھے اور غلط بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: لاتصدقوھم ولا تکذبوھم (ان قصوں کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب) دوسری طرف ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج (بنی اسرائیل سے باتیں نقل کرو، اس میں کوئی حرج نہیں)

بظاہر یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقۃً ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ کیوں کہ پہلی بات عام علمائے بنی اسرائیل کی بابت کہی گئی ہے، جب کہ دوسری بات بنی اسرائیل کے ان علماء سے متعلق کہی گئی ہے، جب کہ دوسری بات بنی اسرائیل کے ان علماء سے متعلق کہی گئی ہے جو حق پرست تھے اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی اور ایمان لائے ——— کسی بات کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کس موقع و محل میں کہی گئی ہے۔ اگر بات کو موقع و محل سے ہٹا دیا جائے تو ایک صحیح بات بھی دیکھنے والے کو غلط نظر آئے گی۔

الفاظ دھوکا دیتے ہیں

امام ربیع بن سلیمان مرادی مصری (م ۲۷۰ھ) امام شافعی کے شاگرد اور ان کی فقہ کے راوی ہیں۔ امام شافعی ان کو بہت مانتے تھے۔ ایک بار انھوں نے اپنے محبوب شاگرد کی بابت کہا: لو ددت انی حشوتہ العلم حشوا (میں چاہتا ہوں کہ ربیع کو علم سے بھر دوں) اسی طرح ایک موقع پر ان کی زبان سے نکلا: اے ربیع! علم اگر کوئی کھلانے والی چیز ہوتی تو میں تم کو اسے کھلا دیتا۔ اس کے بعد کے بعض سیرت نگاروں نے یہ قیاس کر لیا کہ امام ربیع کم فہم تھے اور باتوں کو زیادہ اخذ نہیں کر پاتے تھے۔ قفال مروزی نے اپنے فتاوی میں اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔ مگر یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ امام ربیع کے بعد کے کارنامے اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی کا یہ جملہ اپنے شاگردوں کے بارے میں ان کے تعلق خاطر کو بتاتا ہے نہ کہ شاگرد کی کم فہمی کو۔

خود ساختہ مطلب کیسے نکلتا ہے

خواجہ حافظ شیرازی (۷۹۱ ـ ۷۲۶ھ) کا ایک شعر ہے۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد   وائے گر در پئے امروز بود فردائے

اس شعر کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ اسلام اگر اسی عمل حالت کا نام ہے جو مسلمانوں میں نظر آتی ہے تو اس آج سے کوئی بہتر مستقبل پیدا ہونے کی امید نہیں۔ مگر حافظ کے بعض ہم عصر جو ان سے عناد رکھتے تھے انھوں نے اس شعر سے یہ مطلب نکال لیا کہ حافظ عقیدۂ آخرت کے منکر ہیں۔

زبر زیر کے فرق سے

سورۂ حج کی آیت ہے: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا (۳۹) مسٹر آربتھر جے آربری نے اس کا ترجمہ ان لفظوں میں کیا ہے:

Permission is given to those who fight

اجازت دی گئی ان کو (جنگ کی) جو لڑتے ہیں۔ یہ ترجمہ اس وقت صحیح ہوتا جب لفظ یقاتِلون (زیر سے) ہوتا۔ جب کہ آیت میں

یقاتَلون (زبر سے) ہے۔ یعنی یہ معروف کا صیغہ نہیں ہے بلکہ مجہول کا صیغہ ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔

Permission is given to those who are attacked.

اجازت دی گئی ان کو جن سے جنگ کی جاتی ہے۔ صحیح تلاوت کے مطابق یہ آیت بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی۔ جب کہ مذکورہ ترجمہ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ جارح تھے اور خود ہی تلوار لے کر دوسروں کے اوپر ٹوٹ پڑے۔

مخاطب کی رعایت سے کلام کرنا

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمھاری چھوٹی برائیوں کو معاف کردیں گے (نساء ۳۱) کسی نے حضرت سفیان ثوری سے پوچھا کہ اس آیت میں بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ سے کیا مراد ہے۔ انھوں نے کہا: بڑا گناہ وہ ہے جو بندے اور بندے کے درمیان ہو اور چھوٹا گناہ وہ ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہو (الکبائر ما کان فیہ المظالم بینک وبین عباد اللہ تعالیٰ والصغائر ما کان بینک وبین اللہ تعالیٰ) ظاہر ہے کہ حضرت سفیان ثوری اس بات سے ناواقف نہ تھے کہ قرآن میں شرک کو سب سے بڑا ناقابل معافی گناہ قرار دیا گیا ہے (نساء ۴۸) انھوں نے یہ بات مخاطب کی رعایت سے کہی نہ کہ مطلق معنوں میں۔ ایسے ماحول میں جب کہ لوگ خدا کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہوں مگر بندوں کے معاملہ میں سرکش اور ظالم بنے ہوئے ہوں تو مصلح کو اسی زبان میں کلام کرنا پڑتا ہے جس کا ایک نمونہ سفیان ثوری کے مذکورہ قول میں نظر آتا ہے۔

کچھ سے کچھ مطلب لے لینا

دیہات کی ایک خاتون بہت تیز نماز پڑھتی تھیں۔ رکوع، سجدہ سب بہت جلد جلد کرتی تھیں۔ کسی نے کہا کہ تم نماز میں اتنی تیزی کیوں کرتی ہو، ٹھہر ٹھہر کر کیوں نہیں پڑھتیں۔ خاتون نے فوراً پُراعتماد لہجہ میں کہا: جس استاد نے مجھ کو نماز سکھائی اس نے کہا تھا کہ "دیکھو، نماز میں کبھی سستی نہ کرنا"۔ استاد کا مطلب یہ تھا کہ نماز کی پابندی میں کمی نہ کرنا، مگر خاتون نے یہ مطلب لے لیا کہ تیز تیز نماز پڑھنا، دھیرے دھیرے نہ پڑھنا۔

بات کا رخ بدل دینے سے

ایک شخص دعا کر رہا تھا: اے میرے خدا، مجھے کھانے کو روٹی دے۔ مجھے پہننے کو کپڑا دے۔ مجھے رہنے کو مکان دے، مجھ کو عزت و آرام کی زندگی دے۔ ایک بزرگ نے سنا تو کہا: تم کیسی دعا کر رہے ہو۔ خدا سے مانگنے کی چیزیں تو کچھ اور ہیں۔ آدمی نے پوچھا: پھر آپ کس طرح دعا کرتے ہیں۔ بزرگ نے کہا: میں اس قسم کی چیزیں نہیں مانگتا۔ میں تو جب دعا کرتا ہوں تو کہتا ہوں: اے میرے خدا، مجھ کو ایمان دے۔ مجھ کو عمل کی توفیق دے۔ آدمی نے یہ سن کر کہا: حضرت آپ ٹھیک ہی دعا مانگتے ہیں۔ کیوں کہ انسان خدا سے دعا کرتا ہے تو وہی چیز مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی —— کسی بات کا مطلب سمجھنے کے لئے آدمی کا سنجیدہ ہونا ضروری ہے۔ اگر آدمی بات کو سمجھنے کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو تو وہ اس کا کچھ سے کچھ مطلب نکال سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا مطلب بھی جس کا قائل کی منشا سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ہم ان کو اچھا ٹھکانا دیں گے

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ۔ الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون (نحل ۴۲)

اور جنھوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے واسطے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش ان کو معلوم ہوتا۔ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

حق کی بے آمیز دعوت جب بھی اٹھتی ہے تو وہ تمام لوگ اس کے سخت مخالف ہو جاتے ہیں جو ناحق کو حق بتا کر اپنی قیادت قائم کئے ہوئے ہوں۔ ایسی دعوت ان لوگوں کے لئے اپنی حیثیت کی نفی کے ہم معنی بن جاتی ہے۔ وہ حق کی دعوت کو دبانے اور کچلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے خلاف شوشے نکال کر اس کو بدنام کرتے ہیں۔ وہ اس کی جڑ اکھاڑنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ وہ عوام کو اس سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کے خلاف جارحانہ اقدام سے بھی باز نہیں آتے۔ ان مظالم کے مقابلہ میں حق کے داعیوں کے پاس جو سہارا ہوتا ہے وہ صرف صبر اور توکل ہے۔ یعنی اللہ کی خاطر ہر تکلیف کو برداشت کرنا اور اس امید پر اپنا سفر جاری رکھنا کہ اللہ ضرور ان کی مدد فرمائے گا۔ مخالفین کے پاس مادی اسباب ہوتے ہیں اور ان کے پاس خدا کے وہ وعدے ہوتے ہیں جو اس نے حق کے داعیوں سے اپنی کتاب میں کئے ہیں۔ مخالفین کے پاس دنیوی طاقتیں ہوتی ہیں اور ان کے پاس یہ یقین کہ اللہ کا ایک غیبی نظام ہے اور یہ نظام ضرور ان کی مدد کرے گا۔

حق کے داعیوں کو جب اپنے ابتدائی مقام پر کام کرنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے ایک مُبَوَّءْ (ٹھکانا) فراہم کرتا ہے۔ یعنی ایک ایسی متبادل جگہ جو ان کے لئے دعوتی مرکز کا کام دے۔ جہاں اپنے قدم جما کر وہ زیادہ موثر انداز میں اپنی دعوتی مہم کو جاری رکھ سکیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو مکہ میں یہ مبوء دیا گیا (حج ۲۶) یہود کے لئے شام و فلسطین کی زمین کی مبوء بنا دیا گیا (یونس ۹۳) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مدینہ کی صورت میں مبوء فراہم کیا گیا (حشر ۹)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مہربان باپ اپنی جیب سے پیسہ نکالتا ہے اور اپنے چھوٹے بچہ کے ہاتھ میں پکڑا کر کہتا ہے کہ یہ فلاں آدمی کو دے دو۔ ایسا ہی کچھ معاملہ دعوت حق کے لئے مبوء کی فراہمی کا ہے۔ یہ اگرچہ ایک خدائی عطیہ ہے مگر ظاہری طور پر کچھ انسانوں کے ذریعہ اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس عظیم خوش قسمتی کے لئے چنتا ہے کہ اس کو دعوت حق کے ساتھ تعاون کرنے والوں میں لکھے تو وہ اس کے دل میں اس کام کی اہمیت ڈال دیتا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ کے قبائل نے جس طرح باہر کے مسلمانوں کو ٹھکانا دیا اور اپنی جائدادیں اور مکانات ان کے لئے پیش کر دئے وہ انسانی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہ عظیم قربانی اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر ان کے دلوں کو اس طرف مائل کر دے۔

ایک اپیل

اسلامی مرکز ایک خالص تعمیری اور دعوتی ادارہ ہے۔ اس کی تجویز اولاً ہفت روزہ الجمعیۃ ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ میں پیش کی گئی تھی۔ اس کے بعد متعدد عرب جرائد نے اس پر مفصل تعارفی مضامین شائع کئے (مثلاً الاسبوع الثقافی، طرابلس ۸ اکتوبر ۱۹۷۰، لمختار الاسلامی، قاہرہ نومبر ۱۹۷۹) بیروت اور قاہرہ سے "نحو بعث اسلامی" کے نام سے ۳۲ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ایک تعارفی کتابچہ چھپا جو اب تک سات بار شائع ہو چکا ہے اور عالم اسلام میں پھیلا ہے۔ ۱۹۷۶ میں ایک باقاعدہ رجسٹرڈ ادارہ کی حیثیت سے اسلامی مرکز کا قیام عمل میں آیا

الرسالہ اسی اسلامی مرکز کا ترجمان ہے۔ اس کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۷۶ میں نکلا تھا۔ اس مدت میں اللہ نے اس کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔ اب الرسالہ محض ایک پرچہ نہیں، اب وہ ایک تحریک بن چکا ہے۔ الرسالہ آج نہ صرف ہندستان کے مختلف حصوں میں مسلسل پڑھا جا رہا ہے بلکہ ہندستان کے علاوہ ڈیڑھ درجن بیرونی ملکوں میں بھی اس کی آواز پہنچ رہی ہے۔ عربی زبان میں بھی اس کے مضامین ترجمہ ہو کر شائع ہو رہے ہیں۔

اسلامی مرکز کی یہ تحریک، الرسالہ اور اس کی مختلف مطبوعات کے ذریعہ ایسے مرحلہ میں پہنچ چکی ہے کہ وقت آگیا ہے کہ اس کو مزید مستحکم اور منظم بنایا جائے اور اسلامی مرکز کے بقیہ منصوبے زیر عمل لائے جائیں۔ اس نئے مرحلہ کے آغاز کے لئے ہم کو سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک عمارت ہے۔ دہلی میں اسلامی مرکز کی اپنی عمارت ہو جائے تو یہ تحریک زیادہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے گی اور اس مشن کے تحت دوسرے عملی پروگرام شروع کرنا بھی ممکن ہو جائے گا۔

الرسالہ کے ایک ہمدرد نے دہلی میں اس مقصد کے لئے ایک زمین دینے کی پیش کش کی ہے۔ یہاں تعمیرات کرکے اسلامی مرکز کی اپنی عمارت قائم کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک "تعمیر فنڈ" کھول رہے ہیں اور الرسالہ کے مشن سے دلچسپی رکھنے والوں سے تعاون کی اپیل کر رہے ہیں۔ اس فنڈ میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔

اسلامی مرکز، دفتر الرسالہ، جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶ (انڈیا)

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت —— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت —— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

حقیقت کی تلاش

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۶۰ - قیمت ایک روپیہ

دین کی سیاسی تعبیر

(تعبیر کی غلطی کا خلاصہ)

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۰، قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنت کا داعی ونقیب

زرتعاون سالانہ پندرہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306 دہلی — ۶

اسلام کا تعارف

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۲۴، قیمت ۵۰/۰

اسلام

ایک عظیم جدوجہد

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۸۰ قیمت ۱/۶۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۲، قیمت ۱/۲۵

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کرچکی ہے

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

چند معیاری مطبوعات

	ہدیہ
تدبر قرآن (جلد اول) مفسر امین احسن اصلاحی۔ اردو، فوٹو آفسٹ	۳۲-۰۰
دی مینگ آف گلوریس قرآن مترجم مارماڈیوک پکتھال انگریزی فوٹو آفسٹ پیپر بیک	۱۱ — ۰۰
دی مینگ آف گلوریس قرآن مترجم مارماڈیوک پکتھال انگریزی عربی فوٹو آفسٹ	۲۲ - ۰۰
نماز احکام الصلوٰۃ، خوش نما ٹائیٹل، فوٹو آفسٹ	۵ — ۰۰
نماز مترجم (مع ضروری مسائل) فوٹو آفسٹ	۱ — ۵۰
قرآن معریٰ عکسی نمبر ۳، جدید ترین کتابت، بمعہ پلاسٹک کور	۱۹ — ۰۰
قرآن مجید، حوالہ نمبر ۵۳، معریٰ عکسی، ریگزین بائنڈنگ	۱۲ — ۰۰
حمائل شریف، حوالہ نمبر ۲۳، بمعہ پلاسٹک کور	۱۳ — ۰۰
اعمال قرآنی، معریٰ عکسی ریگزین بائنڈنگ	۵ — ۰۰
قاعدے اور سپارے	
کرامات صحابہ، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۴ — ۰۰
نشر الطیب فی ذکر النبی الطیب، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۹ — ۰۰
مجموعۂ درود شریف، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۱ — ۵۰
آداب زندگی، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۴ — ۵۰
نسخۂ کیمیا، خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۷ — ۵۰
قرآنی نصیحتیں (انگریزی) خوش نما ٹائیٹل، پلاسٹک لیمینیشن	۹ — ۰۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ الرسالہ۔ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان۔ دھلی ۶

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D.) NO. 532

June 1980
Issue No. 43

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231

گرمیوں میں
ٹھنڈک اور تازگی کی سوغات

شربت روح افزا نہ صرف آپ کی پیاس بجھاتا ہے بلکہ تراوٹ پہنچاتا ہے۔ گرمی کا مقابلہ کرنے کی طاقت دیتا ہے۔
اس میں شامل ٹھنڈک دینے والی مقوی جڑی بوٹیاں اور پھلوں کے خالص رس
آپ کی تھکن دور کرتے ہیں، روح کو صحیح تسکین پہنچاتے ہیں۔

شربت روح افزا
لاجواب چیز ہے!

ہمدرد

HD-5962 AU